خواجہ شمس الدین عظیمیؒ

www.ksars.org

Khwaja Shamsuddin Azeemi Research Society

محبوب بغل میں

الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی

انتساب

روحانی

طالب

علموں

کے

نام

فہرست

فہرست 4
ترتیب و پیشکش 6
حضرت لوط علیہ السلام 8
حضرت صالح علیہ السلام 14
حضرت یعقوب علیہ السلام 21
حضرت یوسف علیہ السلام 29
حضرت اسماعیل علیہ السلام 41
روحانی خواتین 49
مرکزی مراقبہ ہال 56
عامل معمول 63
دین فہم دانشور 67
محبوب بغل میں 71
پرندے 76
کانفرنس 79
اندر کی آنکھ 83
پیر اور مرید 85

ترتیب و پیشکش

مرشد کریم الشیخ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب مدظلہ تعالی کے کتابچوں پر مبنی کتابیں ''اسم اعظم'' اور'' قوس قزح ''آپ نے پڑھی ہو گی اور اپنے استاد کی نگرانی میں پڑھتے وقت تھیوری کے ساتھ ساتھ پریکٹیکل یعنی مراقبہ پر بھی توجہ دی ہو گی۔اس کتاب میں مرشد کریم کے مزید 13 عدد کتابچوں کو کتابی شکل دے کر ''محبوب بغل میں'' کے نام سے پیش کیا جارہا ہے۔اب انشاءاللہ چوتھی جلد میں مزید کتابچوں کو شامل کرکے آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ خالق اور مخلوق کے علاوہ استاد اور شاگرد کا بھی ہے۔عادت اپنی اسی طرح جاری ہے کہ ایک استاد ہو اور ایک شاگرد،ایک مقتدر ہو اور دوسرا مصاحب،ایک پیشوا ہوا اور دوسرا پیرو یہ عادت اپنی حضرت آدمؑ کے وقت سے جاری اور قیامت تک جاری رہے گی۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد علوم سکھائے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے بحیثیت استاد آدم کو علوم سکھانے پھر تعلیم و تہذیب سے آراستہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں معلم،استاد اور شیخ بنادیا۔جنت میں مقام عطا فرمایا اور ملائکہ کو ان کے گرد قطار اندر قطار کھڑا کیا اور آدم سے فرمایا کہ وہ علوم ظاہر کرے۔فرشتوں نے کہا۔

ترجمہ:الٰہی!تو پاک ہے۔تو نے جو کچھ ہمیں نہیں سکھایا اس کا ہمیں علم نہیں،بے شک تو جاننے والا،حکمت والا ہے۔

گویا فرشتوں پر آدم کی فضیلت علم ٹھہری۔اس کے بعد آدم کو شجر ممنوعہ کے قریب جاکر اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کام کرنے کے ارتکاب میں جنت سے نکال کر اور ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کرکے زمین پر بھیجا گیا۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

''ترجمہ:بے شک ہم نے انسان کو نہایت احسن طریقہ پر پیدا فرمایا اور پھر اس کو بدسے بھی بدترین مقام پر پھینک دیا۔

زمین کو اللہ تعالیٰ نے بدسے بھی بدترین مقام کہا ہے۔اس لئے آدم کو سخت اضطرب لاحق ہوا اور وہاں آپ کو ایسی چیزوں سے واسطہ پڑا جن کو کہ اس سے قبل آپ نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔یعنی بھوک پیاس وغیرہ۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو آپ کے پاس بھیجا۔جنھوں نے اس منزل اور ضرورت گاہ کے تمام عقیدے آپ پر کھول دیئے۔یوں استاد شاگرد کا رشتہ ازل تا ابد قائم ہو گیا۔غرض ہر صاحب علم کا کوئی نہ کوئی استاد اور کوئی نہ کوئی شاگرد ہو گا جس سے بندہ تربیت حاصل کرکے اللہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ علم کی بنیاد دراصل کسی چیز کی خبر یا کسی چیز کی

شکل وصورت کو یا کسی چیز کے وصف کو جاننا ہے۔ علم کے معنی بھی یہی ہیں کہ آدمی کے اندر جاننے اور کسی چیز سے واقف ہو جانے کا عمل پیدا ہو جائے۔

آپ سے گذارش ہے کہ آپ علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ پریکٹیکل یعنی مراقبہ ضرور کریں تاکہ آپ کے مشاہدے میں تفکر کے ذریعہ ساری بات آجائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے سلسلہ عالیہ عظیمیہ کے ایک ادنی سے کارکن کی حیثیت سے میری یہ کاوش مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی نظر میں قبول ہو اور ان کا روحانی فیض میرے اوپر محیط ہو اور مجھے تمام عالمین میں ان کی رفاقت نصیب ہو۔ (آمین)

پڑھنے دانہ مان کریں تو، نہ آکھیں میں پڑھیا

او جبار ستار کہاوے متاں روڑھ سٹے دودھ کڑھیا

میاں مشتاق احمد عظیمی

روحانی فرزند

الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپ کے والد کا نام حاران تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام ابھی کم عمر تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی پرورش کی۔ آپ کے بچپن اور جوانی کا کافی عرصہ انہی کی زیر نگرانی بسر ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں حضرت لوط علیہ السلام کا نام سر فہرست ہے۔ آپ کی جائے پیدائش عراق کا قدیم شہر " اُور" ہے۔ یہی شہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مسکن بھی تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر کے جب حاران اور بعد ازاں مصر میں سکونت پذیر ہوئے تو حضرت لوط علیہ السلام ان کے ہمراہ تھے۔ یہیں حضرت لوط علیہ السلام کو منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا۔

شرق اردن اور فلسطین کے درمیان بحرِ مردار کے کنارے جنوبی حصے میں سرسبز و شاداب وادیاں تھیں۔ یہ علاقے سدوم اور عمورہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان علاقوں میں پانی کی فروانی کی وجہ سے زمین زرخیز تھی۔ کھیتی باڑی خوب ہوتی تھی۔ ہر قسم کے پھل، سبزیوں اور باغات کی کثرت تھی۔ ان علاقوں کے باشندے خوشحال تھے اور زندگی کی آسائشیں انہیں حاصل تھیں۔

ازلی دشمن ابلیس نے انہیں گمراہ کرنے کے لئے اس خوشحالی اور آسائش کی زندگی کو استعمال کیا۔ ان بستیوں کے مکین اللہ کی عطا کردہ ان نعمتوں کو اپنے زور بازو پر محمول کرنے لگے اور عطائے خداوندی کو انہوں نے یکسر نظر انداز کر دیا۔ قادر مطلق جب ان کے مطمع نظر نہ رہی تو وہ غرور اور تکبر سے بدمست ہو گئے۔ دوسری بستیوں کے لوگوں کا ان سرسبز و شاداب وادیوں میں آنا جانا رہتا تھا۔ یہ بات اہل سدوم کو ناگوار گزرتی۔ وہ ان وادیوں کی سرسبزی اور شادابی کو اپنی ملکیت تصور کرتے تھے اور دوسرے علاقوں کے باشندوں کا ان نعمتوں سے مستفید ہونا انہیں گوارا نہ تھا۔ اس آمد و رفت کو روکنے کا ایک طریقہ انہوں نے یہ نکالا کہ وہ باہر سے آنے والے لوگوں کا مال و اسباب لوٹ لیتے تھے۔ اس طرح رہزنی کی عادت ان میں رواج پا گئی۔

غرور، تکبر اور سرکشی ابلیس کی طرز فکر کا خاصہ ہے۔ اہل سدوم نے جب اس طرز فکر کو قبول کر لیا تو ان کے اندر طرح طرح کی برائیاں پیدا ہو گئیں۔ حرص، لالچ، بغض، عناد، کینہ، زرپرستی، دل آزاری، بداخلاقی اور فسق و فجور میں وہ لوگ مبتلا ہو گئے۔ اہل سدوم جب پوری طرح ابلیس کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس گئے تو ان کے ذہنوں میں شیطنت راسخ ہو گئی اور وہ انہی طرزوں میں سوچنے لگے۔ جن طرزوں پر عمل پیرا ہو کر انسان مجسمہ شر اور فساد بن جاتا ہے۔ ذاتی منفعت اور آسائش و عشرت کے حصول میں وہ اس قدر اندھے ہو گئے کہ شرف انسانیت کی طرزیں ان کے اندر سے معدوم ہو گئیں۔ دوسروں کو نقصان پہنچا کر، دل آزاری

کر کے انہیں خوشی اور راحت محسوس ہوتی اور اس کے لئے وہ نت نئے طریقے اختیار کرتے۔ اس طرز فکر پر کاربند رہنے کی بناء پر اہل سدوم گمراہی اور ذلت کے تاریک گڑھے میں اترے چلے گئے۔ بد اطوار قوم نے بداعمالیوں اور فواحش کی فہرست میں ایک ایسے عمل کا اضافہ کر دیا جو اس قوم کی بدکاری کے سبب صفحہ ہستی سے نابود کئے جانے کے لئے عذابِ الٰہی کی بنیاد بن گیا۔

نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے قدرت کا مقررہ کردہ طریقہ چھوڑ کر عورتوں کے بجائے مردوں اور لڑکوں سے اختلاط رکھنا اس قوم کا دستور بن گیا۔ شرافت اور انسانیت کا شائبہ تک اہل سدوم میں باقی نہ رہا۔ خباثت اور بے حیائی کی انتہا یہ تھی کہ عوام الناس سے لے کر قوم کے سردار اور حاکم تک اس اخلاق سوز عمل کو عیب نہیں گردانتے تھے بلکہ علی الاعلان فخریہ انداز میں اس کا تذکرہ کرتے تھے اور بھری محفلوں میں ناپسندیدہ حرکات دہراتے تھے۔

قرآن میں اس بستی اور اس کے باشندوں کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔

''بستی، جہاں کے لوگ گندے کام کیا کرتے تھے وہ برے اور بدکردار لوگ تھے۔'' (الانبیاء)

حضرت لوط علیہ السلام اسی قوم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ آپ نے اہل سدوم کی بے حیائیوں اور خباثتوں کی ملامت کی۔ ان کے اندر موجود اخلاقی برائیوں کی نشاندہی کی اور ان برائیوں سے نجات پانے کے طور طریقوں کی تبلیغ کی۔ قوم کو گمراہی اور ظلمت کے اندھیروں سے نکالنے کے لئے رب کائنات کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور شرافت اور پاکیزگی کے اعمال اپنانے کی ترغیب دی۔ اصلاح اور تزکیہ نفس کے لئے ہدایت و نصیحت کا یہ ترغیبی پروگرام قوم پر بہت شاق گزرا۔ مٹی کی چپک اور مٹی سے تخلیق پانے والے مظاہر کی کشش نے ان کے حواس کو اپنی گرفت میں اس طرح جکڑا ہوا تھا کہ وہ اس بدمستی کی کیفیت سے نکلنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ وہ حضرت لوط علیہ السلام سے متنفر رہنے لگے اور ان کی نصیحت آموز باتوں کو اپنی عیش و عشرت کی زندگی کے لئے ایک رکاوٹ تصور کرنے لگے۔

سورۃ اعراف میں دعوت حق کے جواب میں اہل سدوم کا ردِ عمل بیان ہوا ہے:

''اور کچھ جواب نہ دیا اس کی قوم نے مگر یہی کہا نکالو ان کو اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرائی چاہتے۔''

سدوم اور عمورہ کی سرزمین پر آباد نوع انسانی کا یہ سرکش گروہ نافرمانی، بے حیائی اور اخلاق سوز کاموں پر مصر رہا۔ اللہ کے فرستادہ بندے حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں ان کے ناپسندیدہ افکار کے باعث خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور اعمال بد کے سبب نازل ہونے والے عذاب سے ڈرایا۔ قوم نے اس پند و نصائح کا اثر قبول کرنے کے بجائے حضرت لوط علیہ السلام کا تمسخر اڑایا اور نافرمان اقوام کے طرز عمل کو دہراتے ہوئے غرور اور تکبر اور سرکشی کا اظہار کیا۔ بستی کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کو دیکھتے تو آوازیں کستے:

"اے لوط! ہمارے اعمال سے تیرا خدا اگر ناراض ہے تو عذاب لاکر دکھا جس کا ذکر کرکے تو ہمیں بار بار ڈراتا ہے۔"

حضرت لوط علیہ السلام کو جب یقین ہو گیا کہ یہ لوگ ہدایت کی راہ اختیار نہیں کریں گے تو انہوں نے رب العزت کی بارگاہ میں استدعا کی:

"اے رب! مجھے ان مفسد لوگوں پر غالب کردے۔"

مفسد اور شریر لوگوں پر فتح و نصرت کی دعا قبول ہوئی۔ بستی والوں کے اعمال کے سبب بارگاہ الٰہی سے حکم ہوا کہ اہل سدوم کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ بستیوں کو ان کے مکینوں سمیت الٹنے کے لئے فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہوئی۔ یہ فرشتے انسانی روپ میں ظاہر ہوئے۔ پہلے یہ جماعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچی اور ان کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی اور اہل سدوم کی ہلاکت کی اطلاع دی۔ فرشتوں کی یہ جماعت جب حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچی تو رات کا وقت تھا۔ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر والوں سے اپنا تعارف مہمانوں کی حیثیت سے کروایا۔ فرشتے انسانی روپ میں تھے اور ملکوتی حسن ان سے ہویدا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی گمراہ قوم کی ہم خیال تھیں۔ اس نے مہمانوں کی آمد کی اطلاع اہل سدوم کو کر دی۔ لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے باہر جمع ہو گئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ یہ مہمان ہمارے حوالے کر دیئے جائیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اس وقت بھی نصیحت کی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا لیکن اہل سدوم پر جنون سوار تھا۔ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی ایک نہ سنی۔ یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام پر حملہ کرکے انہیں مضروب کر دیا۔ اس وقت حضرت لوط علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں استدعا کی:

"اے میرے رب! مجھے اور میرے متعلقین کو ان کے کاموں سے نجات دے۔" (شعراء)

اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو تسلی دی۔

"اے لوط! ہم بھیجے ہیں تیرے رب کے ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک سو لے نکل اپنے گھر والوں کو کچھ رات سے اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی مگر تیری عورت، یوں ہی ہے کہ اس پر پڑنا ہے جو ان پر پڑے گا، ان کے وعدے کا وقت ہے صبح۔ کیا صبح نہیں نزدیک۔" (ہود)

حضرت لوط علیہ السلام فرشتوں کی ہدایت کے مطابق اپنے متعلقین کے ہمراہ سدوم سے رات کے وقت نکلے اور اس وادی سے ایک طرف زغر نامی مقام پر پہنچ گئے۔

صبح کے نزدیک ایک ہولناک آواز بلند ہوئی اور اہل سدوم کے حواس معطل ہوگئے۔ آسمان سے ان پر کنکر اور پتھر برسائے گئے اور تمام بستیاں ان کے مکینوں سمیت الٹ دی گئیں۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جس مقام پر موجود تھے۔ وہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہا۔

توریت کے باب پیدائش میں اس عذاب کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے۔

''تب خداوند نے اپنی طرف سے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ آسمان سے برسائی اور اس نے ان شہروں کو اور اس ساری ترائی کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اگا تھا، غارت کردیا۔''

کہا جاتا ہے کہ بحر مردار جو اب سمندر نظر آتا ہے، کسی زمانے میں خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے۔ سدوم اور عمورہ کی آبادیاں اسی مقام پر تھیں۔ یہ مقام شروع میں سمندر نہ تھا۔ جب اہل سدوم پر عذاب نازل ہوا تو شدید زلزلوں کے باعث یہ زمین چار سو میٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی اور یہاں پانی ابھر آیا۔

قرآن حکیم سمیت تمام الہامی کتابوں میں مذکور یہ واقعہ نوع انسانی کو درس عبرت دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ دنیا میں ایسی کوئی مثال سامنے نہیں آئی کہ ظالم کو اس کے ظلم کا بدلہ نہ ملا ہو۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ شیطنت کے پیروکاروں کو زندگی میں سکون قلب کی دولت حاصل نہیں ہوتی۔ مکافات عمل کا یہ قانون ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک رنگ و بو کی اس دنیا سے رشتہ منقطع نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ مکافات عمل کا کفارہ ادا نہیں کر دیتا۔ کیا کوئی بندہ یہ کہہ سکتا ہے کہ خیانت اور بددیانتی سے اس کی مسرت میں اضافہ ہوا ہو۔ کیا کوئی آدمی متعفن اور سڑی ہوئی غذا کھانے کے بعد بیماریوں، پریشانیوں اور بے چینی سے محفوظ رہ سکتا ہے؟ کیا سیاہ کارانہ طرز زندگی اپنا کر ارادوں میں کامیابی ممکن ہے، ایسی کامیابی جس کامیابی کو حقیقی کامیابی اور مستقل کامیابی کہا جا سکے۔۔۔۔۔؟ ظاہر ہے کہ ان تمام سوالات کا جواب یہ ہے کہ برے کام کا نتیجہ برا مرتب ہوتا ہے اور اچھے کام کا نتیجہ اچھائی میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس اصول کو لا محالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ فلاح خیر میں ہے اور شر کا نتیجہ ہمیشہ تباہی کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ یہی قانون اجماعی زندگی کا ہے۔ اجتماعی طور پر اگر معاشرہ منافقانہ زندگی میں مبتلا ہو جائے تو اس کا نتیجہ بھی اجتماعی تباہی مرتب ہوتا ہے۔

تباہی کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بسا اوقات ہم ایک برائی کو بہت کم تر اور معمولی سمجھتے ہیں لیکن حقیر نظر آنے والی یہی برائی جب بیج بن کر نشو و نما پاتی ہے اور درخت بن جاتی ہے تو اس درخت کے پتے، کانٹے، کریہہ رنگ پھول، خشک سیاہ اور کھردرے پتے، بجھی بجھی سی اور بے رونق شاخیں پوری نوع کو غم آشنا کر دیتی ہیں اور پھر یہ غم ضمیر کی ملامت بن کر مہلک بیماریوں کے ایسے کنبے کو جنم دیتا ہے جس سے آدمی بچنا بھی چاہے تو بچ نہیں سکتا۔ اگر ہم واقعتاً حقیقت کو سمجھنا چاہتے ہیں اور

تفکر کو اپنا شعار بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں جاننا ہو گا کہ خیر و شر کے تمام مراحل ایک کنبہ کے افراد کی طرح زندہ اور متحرک ہیں۔ نیکی کا درخت رحمت و برکت کا سایہ ہے اور بدی کا درخت خوف اور پریشانی اور رنج و ملال کی کیفیات کو نوع انسانی پر مسلط کر دیتا ہے۔

غصہ، نفرت، تفرقہ، بغض و عناد اس مشن کا تشخص ہے جو بارگاہ ایزدی سے معتوب اور گم کردہ راہ ہے۔ یہ مشن کبر و نخوت، ضد اور ذاتی طور پر غرور کا پرچار کرتا ہے۔ اس کردار میں وہ تمام عوامل کارفرما ہیں جن سے بندہ اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔ اس کے اوپر تاریکی گھٹا بن کر چھا جاتی ہے۔ ادبار اور آلام و مصائب اس طرح مسلط ہو جاتے ہیں کہ یہ خود اپنی نظروں میں ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔

ظاہر دنیا کی ہر آسودگی میسر ہوتی ہے لیکن دل میں ایک ایسا ناسور پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے تعفن سے روح کے اندر لطیف انوار اپنا رشتہ منقطع کر لیتے ہیں اور جب قطع و برید کی یہ عادت مزمن ہو جاتی ہے تو انوار کا ذخیرہ پس پردہ چلا جاتا ہے اور اللہ کے ارشاد کے مطابق دلوں پر کانوں پر مہر لگا دی جاتی ہے اور آنکھوں پر دبیز اور گہرے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ یہ محرومی اس کو نہ صرف یہ کہ دنیا میں امن و سکون سے دور کر دیتی ہے بلکہ ایسا بندہ ازلی سعادت اور عرفان حق سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

نیکی اور بدی کا جب تذکرہ آتا ہے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہر عمل کے پس پردہ کوئی نہ کوئی طرز فکر کام کر رہی ہے اور طرز فکر کی بنیاد پر ہی کسی گروہ، کسی ذات کسی برادری اور کسی کردار اور کسی شخص کا تعین کیا جاتا ہے۔ ہمارے سامنے پیغمبروں کا کردار بھی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں ان لوگوں کا کردار بھی ثبت ہے جنہوں نے پیغمبروں کی مخالفت کی اور انہیں قتل کیا۔ تاریخ کے صفحات میں ایسے لوگوں کا کردار بھی موجود ہے جس میں سخاوت عام ہے اور ایسے کردار بھی موجود ہیں جن میں کنجوسی اور بخیلی اپنے عروج کو پہنچی ہوئی ہے۔ کنجوسی اور بخیلی کے کردار کا باوا آدم قارون ہے۔ جب تک دنیا قائم رہے گی قارون کی ذریت اور قارون کے کردار سے متاثر لوگ موجود رہیں گے اور جب تک دنیا موجود ہے سخی لوگ موجود رہیں گے۔ دنیا میں پیغمبروں کے کردار کے حامل لوگ بھی موجود ہیں۔ پیغمبروں کے کردار کو جب ہم خود بین نظروں سے دیکھتے ہیں تو ہمیں اچھائی کے علاوہ کوئی دوسری چیز نظر نہیں آتی یعنی وہ ایسے کردار سے مستفیض ہیں جس کردار میں لطافت و حلاوت کے علاوہ کوئی دوسری چیز شامل نہیں ہے۔

کردار کے تعین میں دو طرزیں بنتی ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی شیطنت سے قریب ہو کر شیطان بن جاتا ہے اور دوسری یہ کہ آدمی سراپا رحمت بن کر اللہ کی بادشاہت میں نمائندہ بن جاتا ہے۔ وہ تمام طرزیں جو بندے کو اللہ سے دور کرتی ہیں شیطانی طرزیں ہیں اور وہ تمام طرزیں جو بندہ کو اللہ سے قریب کرتی ہیں پیغمبرانہ طرزیں ہیں۔ پیغمبرانہ طرزوں اور شیطانی طرزوں کو تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جو بندہ رحمانی طرزوں میں داخل ہو جاتا ہے اس کے اندر پیغمبروں کے اوصاف منتقل ہو جاتے ہیں۔ پیغمبروں کے اوصاف اللہ کے اوصاف ہیں۔ یعنی جب کوئی بندہ پیغمبرانہ زندگی میں سفر کرتا ہے تو دراصل وہ ان صفات میں سفر کرتا ہے جو اللہ کی ذاتی صفات ہیں اور جب کوئی بندہ پیغمبرانہ صفات سے منہ موڑ لیتا ہے تو ان راستوں میں بھٹکتا پھرتا ہے جو تاریک اور کثافت سے معمور ہیں۔

شیطانی طرز فکر یہ ہے کہ آدمی کے اوپر خوف اور غم مسلط رہتا ہے۔ ایسا خوف اور غم جو زندگی کے ہر قدم کو ناقابل شکست وریخت زنجیروں میں جکڑے رکھتا ہے۔ دن ہو یا رات ہر لمحہ خوف میں بسر ہوتا ہے۔ کبھی اسے زندگی ضائع ہونے کا غم ہوتا ہے کبھی وہ معاشی ضروریات کے پورا نہ ہونے کے خوف میں مبتلا رہتا ہے۔ کبھی اس کے اوپر بیماریاں حملہ آور ہوتی ہیں۔ کبھی وہ مسائل کے انبار میں اس طرح دب جاتا ہے کہ اس نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ موت اس کے اوپر خوف بن کر مسلط ہو جاتی ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ موت سے کسی بھی طرح رستگاری ممکن نہیں ہے۔

اللہ کریم ہمیں پیغمبرانہ طرزوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور گمراہ و مغضوب لوگوں کی طرز فکر اپنانے سے بچالے۔ آمین یارب العالمین!

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام سام بن نوحؑ کے بیٹے ارم کی اولاد میں سے تھے۔امام مغویؒ نے آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے، ''صالح بن عبید بن آسف بن ماشح بن عبید بن حاور بن ثمود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوحؑ ''۔ حضرت صالحؑ جس قوم کی طرف مبعوث کئے گئے وہ ''قوم ثمود'' کہلاتی تھی اور حجاز اور شام کے مابین عربوں کی مشہور تجارتی شاہراہ پر واقع ''وادی القریٰ'' میں آباد تھی۔یہ شاہراہ یمن سے ساحل بحر احمر کے ساتھ ساتھ خلیج عقبہ کے کنارے سے نکل کر شام کو جاتی ہے۔

اس قوم کو ثمود اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے جد اعلیٰ ثمود تھے۔یہ قوم ساری اقوام کی ایک شاخ ہے اور قوم عاد ہی کا بقیہ گروہ ہے۔

جو کہ عادِ اولیٰ کی ہلاکت کے وقت حضور ہودؑ کے ساتھ بچ گئے تھے۔یہی لوگ عادِ ثانیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

قوم ثمود نہایت طاقتور تھی۔لوگ طویل العمر تھے۔فنِ سنگ تراشی اور تعمیرات کے ماہر تھے۔یہ لوگ پہاڑوں کو کاٹ کر اس میں نہایت مہارت سے مکانات بناتے تھے۔قرآن کریم کی سورہ فجر میں ان کی اس صلاحیت کا تذکرہ ملتا ہے۔ان کی بنائی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات، شام اور حجاز کے درمیان آج بھی پائے جاتے ہیں۔آثارِ قدیمہ کے ماہرین کو تحقیق کے دوران، وہاں ایک ایسا مکان بھی ملا ہے جسے شاہی حویلی کہا جا سکتا ہے۔اس میں متعدد کمرے تھے اور ایک بڑا حوض تھا اور یہ پوری عمارت پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ان کھنڈرات کا تذکرہ عرب کے مشہور مورخ مسعودی نے بھی کیا ہے۔یہ قوم حضرت ابراہیمؑ کی بعثت سے بہت پہلے گزری ہے۔

قوم ثمود بھی اپنے پیشتروں کی طرح بت پرست تھی اور شرک میں مبتلا تھی۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ان ہی میں سے ایک برگزیدہ ہستی، حضرت صالحؑ کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا تا کہ آپ اس گمراہ قوم کی رہنمائی کریں اور انہیں اس بات کی طرف متوجہ کریں کہ کائنات کی ہر شئے خدا کی توحید و یکتائی پر شاہد ہے اور یقینی دلائل کے ساتھ ان کے گمراہ کن عقائد کو باطل ثابت کریں اور بتائیں کہ پرستش اور عبادت کے لائق ہستی وہ ہے جس نے تمام کائنات کو تخلیق کیا ہے۔

حضرت صالحؑ نے پیغمبروں کی سنت کے مطابق ہدایت و تبلیغ شروع کر دی۔ اور لوگوں نے اپنے آباؤ اجداد کا شیوہ اختیار کر لیا۔ حضرت صالحؑ کو جھٹلایا گیا اور تمسخر اڑایا گیا، لوگوں نے کہا۔ ''اے صالح! تو ایسا آدمی تھا کہ ہم سب کی امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں پھر کیا ہوا کہ تو ہمیں ان معبودوں کی پرستش سے روکتا ہے، جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں، ہمیں تیری کسی بات کا یقین نہیں ہے۔''

حضرت صالحؑ انہیں بار بار سمجھاتے اور نصیحت فرماتے رہے مگر قوم اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہی۔ لوگوں کا بغض و عناد بڑھتا رہا اور انہوں نے آپ کی شدید مخالفت شروع کر دی۔ البتہ ایک مختصر جماعت نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور چند لوگ ایمان لے آئے۔ قوم ثمود کے افراد نہایت آسودہ حال تھے، مال و دولت کی فروانی سے ان کی معاشی حالت بہت اچھی تھی، انہیں عیش و عشرت کا ہر سامان میسر تھا۔ لہٰذا ان میں وہ تمام اخلاقی برائیاں پیدا ہو گئیں تھیں جو عموماً طاقت و قوت کے نشہ میں بدمست لوگوں میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ انہیں اپنی دولت و ثروت اور جسمانی قوت پر بڑا ناز تھا۔ قوم ثمود کے ارباب اقتدار اور صاحب حیثیت لوگ باطل پرستی میں اس قدر غرق ہو چکے تھے کہ حق و معرفت کی روشنی نے ان سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اہل باطل حضرت صالحؑ کی تبلیغ کے جواب میں کہتے:

''اے صالح! اگر ہم پسندیدہ طریقے پر نہیں اور ہمارے معبود باطل ہیں تو آج ہم کو یہ دھن دولت، سرسبز و شاداب باغات، سامان آسائش کی فروانی اور بلند اور عالی شان محلات حاصل نہ ہوتے۔ تو خود اپنی اور اپنے پیروکاروں کی بدحالی اور غربت پر غور کر اور ہمیں بتا کہ مقبول لوگ ہم ہیں یا تم اور تمہارے خستہ حال پیروکار۔''

قوم کے اس گستاخانہ طرز کلام کے جواب میں حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ تم اپنی خوشحالی اور عیش سامانی پر تکبر نہ کرو۔ وسائل کی یہ فراوانی تمہارے زور بازو کا نتیجہ نہیں ہے۔ نہ ہی ان وسائل کی فراہمی کو ہمیشہ برقرار رکھنا تمہارے اختیار میں ہے۔ یہ نعمتیں جو تمہیں حاصل ہیں اسی رحیم و کریم ذات کی عطا کردہ ہیں جو تمہارا اور کائنات کی ہر شئے کا خالق و مالک ہے اگر تم اس کے شکر گزار بندے بنے گے تو وہ تمہیں مزید انعامات و اکرامات سے نوازتا رہے گا۔ اور اگر تم نے کفران نعمت کیا اور ان نعمتوں کے حصول پر مغرور ہو گئے تو یہی وسائل تمہارے لئے ادبار بن جائیں گے۔

آلِ ثمود اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ حضرت صالحؑ اللہ کے فرستادہ پیغمبر ہیں اپنی سرداری اور مال و دولت کے ذخائر پر تسلط کی بناء پر وہ گمان رکھتے تھے کہ اللہ کے احکامات کو لوگوں تک پہنچانے کے اہل ہم لوگ ہیں۔ وہ لوگ جو حضرت صالحؑ پر ایمان لے آئے تھے اہل باطل کی تحقیر و تضحیک کا نشانہ بنتے۔ یہ لوگ ایمان کی دولت سے سرفراز اہل بصیرت کو مخاطب کر کے

پوچھتے:

"کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اپنے پروردگار کا بھیجا ہوا رسول ہے؟"

جواب میں حضرت صالحؑ کے پیروکار کہتے کہ بیشک ہم اس کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ بات منکرین کے لئے ناقابل برداشت تھی کہ ان کے علاوہ کسی اور شخصیت کے لئے لوگوں کے دلوں میں اس قدر ادب واحترام ہو کہ وہ اس کی کہی ہوئی بات کو بلاچوں وچرا تسلیم کرلیں۔ اپنے اقتدار کے لئے وہ اسے خطرہ سمجھتے تھے۔ حضرت صالحؑ کی عزت وشرف کو ان کے پیروکاروں کی نظروں میں کم تر ثابت کرنے کے لئے وہ کہتے کہ ہم ہر اس بات کو رد کرتے ہیں اور ہر اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں جو صالحؑ تمہارے سامنے بیان کرتا ہے۔

باطل پرستوں کا یہ جواب سطحی سوچ رکھنے والے ظاہر بین لوگوں کے لئے قابل ستائش تو ہو سکتا تھا لیکن وہ لوگ جن کے قلوب ایمان کے نور سے منور ہو چکے تھے۔ اس متکبرانہ جواب سے قطعاً متاثر نہ ہوئے۔

ارباب اختیار نے جب یہ دیکھا کہ معاشی طور پر کمزور لوگوں میں حضرت صالحؑ کا اثر ورسوخ بڑھ رہا ہے تو انہوں نے حضرت صالحؑ کو جھٹلانے کے لئے اور اللہ کے پیامبر ہونے کا غلط دعویدار ثابت کرنے کے لئے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اگر واقعی اپنے پروردگار کے فرستادہ بندے ہیں تو کوئی معجزہ دکھائیں۔ حضرت صالحؑ ان لوگوں کی فطرت سے واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ واضح نشانی دیکھ لینے کے بعد بھی تم اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہو اور کفر ترک نہ کرو؟

قوم کے چیدہ چیدہ سرداروں نے وعدہ کیا کہ اگر تم ہمارے مطالبے کے عین مطابق نشانی دکھادو گے تو ہم تیری صداقت پر ایمان لے آئیں گے۔

ظاہر پرست سرداروں کے پیش نظر یہ بات تھی کہ ایسی نشانی کا مطالبہ کیا جائے جس کا پورا ہونا ناممکنات میں سے ہو اور جب حضرت صالحؑ ان کے مطالبہ کے مطابق معجزہ دکھانے میں ناکام رہیں گے تب عوام الناس خصوصاً حضرت صالحؑ کے پیرکاروں کے سامنے حضرت صالحؑ کو نبوت کا جھوٹا دعوے دار ثابت کرنے میں وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ لہٰذا وہ اپنی محدود عقل وفہم کے مطابق انہوں نے مطالبہ کیا کہ سامنے پہاڑ میں سے ایک ایسی اونٹنی ظاہر ہو جو اس وقت بچہ دے اور دودھ بھی دے۔

حضرت صالحؑ نے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی استدعا قبول فرمائی اور پہاڑ میں ایک ٹھوس چٹان پھٹ گئی جس میں سے ایک نہایت عظیم الجثہ اونٹنی برآمد ہوئی۔ اونٹنی نے ظاہر ہوتے ہی ایک بچے کو جنم دیا۔ حضرت صالحؑ نے قوم سے فرمایا:

"تم کو پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے، یہ اونٹنی اللہ کی اس سے ہے تم کو نشانی، سو اس کو چھوڑ دو، کھاوے اللہ کی زمین میں اور اس کو ہاتھ نہ لگاؤ بری طرح، پھر تم کو پکڑے گی دکھ کی مار۔"

(الاعراف)

حق و صداقت کی یہ واضح نشانی دیکھ کر کچھ لوگ حضرت صالحؑ پر ایمان لے آئے مگر بہت سے ایسے بھی تھے جنھوں نے جہالت کی تاریکیوں کو ہدایت کے نور پر ترجیح دی۔

حضرت صالحؑ نے قوم کے تمام افراد کو تنبیہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے۔اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر کی جائے۔ایک دن اونٹنی اور اس کے بچے کے لئے چشمے کا پانی مخصوص ہو گا اور اس دن قوم کا کوئی فرد یا ان کے جانور چشمے کے پانی کو استعمال میں نہیں لائیں گے جبکہ ہفتہ کے باقی دن وہ لوگ اور ان کے جانور چشمے کا پانی استعمال کریں۔حضرت صالحؑ نے قوم ثمود سے وعدہ لیا کہ اونٹنی کو ضرر نہیں پہنچائیں گے۔سرداروں نے اس بات کو ماننے کے لئے یہ شرط رکھی کہ وہ اونٹنی کو اپنی چراگاہوں میں چرنے کی اجازت اس صورت میں دیں گے کہ انہیں اونٹنی کا دودھ میسر ہو۔

اگرچہ قوم اس حیرت انگیز معجزہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائی تھی لیکن حضرت صالحؑ سے کئے ہوئے اقرار نے انہیں اس بات سے باز رکھا کہ وہ اس ناقہ کو ضرر پہنچائیں چنانچہ یہ معمول بن گیا۔اونٹنی اور اس کا بچہ ایک روز چشمہ کا پانی استعمال کرتے اور اس روز کسی اور چشمہ کا پانی استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔قوم اونٹنی کا دودھ اپنے استعمال میں لاتی اور اس کے بدلے اونٹنی اپنے بچے سمیت بلا روک ٹوک چراگاہوں میں چرتی رہتی۔

آل ثمود زور آور قوم تھی۔اگرچہ وہ لوگ اپنے وعدے پر قائم تھے لیکن حضرت صالحؑ کی تبلیغ حق انہیں کھٹکتی رہتی تھی۔حضرت صالحؑ سے تو وہ پہلے ہی نالاں اور بیزار تھے۔اب اونٹنی اور اس کے بچے کی وجہ سے ان پر پانی کے استعمال پر ایک روز کی پابندی بھی لگ گئی تھی۔یہ بات ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔سو انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کرکے اونٹنی کو کاٹ ڈالنے کا منصوبہ بنایا اور اس ناپاک منصوبہ پر عمل درآمد کرنے کے لئے چند افراد کو آمادہ کر لیا۔ایک روز جبکہ اونٹنی اپنے بچے کے ہمراہ چراگاہ میں گھاس چر رہی تھی۔انہوں نے موقع پاکر اس کو مار ڈالا۔وہ جب اونٹنی کو زیر کرنے میں مصروف تھے تب اونٹنی کا بچہ وہاں سے بھاگ نکلا۔چند ایک نے اس کا پیچھا کیا لیکن وہ ان کی دسترس سے باہر رہا اور پہاڑ پر چڑھ کر کرب ناک آواز سے چلانے لگا۔روایت ہے کہ بچہ اسی پتھر میں داخل ہو گیا جس پتھر سے اونٹنی باہر نکلی تھی۔

حضرت صالحؑ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہیں بے حد افسوس ہوا۔ انہوں نے نافرمان قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ تم لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے ہو۔ غصہ اور انتقام کے جذبہ نے تمہیں اندھا کر دیا ہے۔ تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ اب اپنے کئے کی سزا بھگتو۔ اللہ کا عذاب نافرمانوں پر نازل ہو کر رہے گا۔

شک و وسواس میں مبتلا قوم ثمود نے حضرت صالحؑ سے پوچھا تیرے پروردگار کا عذاب کب آئے گا۔ حضرت صالحؑ نے جواب میں انہیں تین دن کا وقت بتایا۔ تین دن بعد بجلی کی چمک اور کڑک کا عذاب آل ثمود پر نازل ہوا۔ سوائے حضرت صالحؑ اور ان پر ایمان لانے والے افراد کے پوری قوم ہلاک اور تباہ و برباد کر دی گئی۔ عذاب الٰہی سے بچ جانے والے یہی لوگ ثمودِ ثانیہ کہلاتے ہیں۔

سورۃ ہود میں گم کردہ راہ اور نافرمان قوم ثمود پر نازل ہونے والے عذاب کا تذکرہ اس طرح ہے:

"اور پکڑا ان ظالموں کو چنگھاڑ نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے جیسے کبھی رہے نہ تھے ان میں، سن لو! ثمود منکر ہوئے اپنے رب سے، سن لو! پھٹکار رہے ثمود کو۔"

حضرت صالح علیہ السلام نے حزن و ملال کے ساتھ ہلاک شدگان کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"اے قوم! بلاشبہ میں نے اپنے پروردگار کا پیغام تم تک پہنچایا اور تم کو نصیحت کی لیکن تم تو نصیحت کرنے والوں کو دوست ہی نہ رکھتے تھے۔"

قرآن میں مذکو قوموں کے عروج و زوال کے اسباب پر جب ہم تفکر کرتے ہیں تو یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے برگزیدہ بندوں کو جھٹلایا ان کی تعلیمات کو ماننے سے انکار کیا انہیں تمسخر و تضحیک کا نشانہ بنایا۔ وہ ہمیشہ خسارے میں رہے۔ ان کے اعمال کے پس پردہ ایسی طرز فکر کام کرتی ہے جو غرور و تکبر، بغض و عناد، شرپسندی، خود نمائی جیسے ناپسندیدہ عوامل کا مرکب ہوتی ہے۔ ان کے اندر حق و یقین کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ وہ محدودیت کے خول میں اس طرح بند ہو جاتے ہیں کہ ان کی عقل و شعور پر جہالت کی تاریکی چھا جاتی ہے۔ ان کے کان ہوتے ہیں مگر وہ حق بات سننے سے محروم رہتے ہیں۔ ان کی آنکھیں دیکھتی ہیں مگر ان کی بصارت گمراہی کے پردوں کے اس پار نہیں دیکھ سکتی۔ ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ وہ ظلمتوں میں اس طرح گم ہو جاتے ہیں کہ حق و صداقت اور معرفت کی روشن دلیل دیکھ کر بھی ان کے اندر یقین کے بجھتے دیئے روشن نہیں ہو پاتے۔ ایسے حقیقت ناآشنا ارباب اختیار اپنی برتری اور اقتدار کے دوام کے لئے عوام الناس کی سوچوں پر پہرے بٹھا دیتے ہیں۔ باطل عقائد اور برے اعمال کو باپ دادا کا نام طرقی قرار دے کر لوگوں کو ان پر قائم رہنے کا پرچار کرتے ہیں۔ انبیاء اور ان کی تعلیمات کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھتے ہیں۔ ان کی باتوں پر خود کان دھرتے ہیں نہ اپنے دست نگر لوگوں کو ان پاس جانے دیتے ہیں۔

جب کوئی قوم اس کیفیت سے دوچار ہو جاتی ہے کہ فنا و بقا کے فارمولوں سے نا آشنا ہو جائے تو بالآخر ایک دن ایسا آتا ہے کہ ترقی کا فسوں ٹوٹ جاتا ہے اور وہ قوم زمین پر سے اس طرح اٹھالی جاتی ہے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔

قرآن ببانگ دہل اعلان کرتا ہے:

"جو کوئی ایک ذرہ بھلائی کرے گا وہ اسے اپنے سامنے پائے گا اور جو کوئی ذرہ برائی کرے گا وہ بھی اسے اپنے سامنے پائے گا۔"

(الزلزال)

آیت مقدسہ میں تفکر ہم پر واضح کرتا ہے کہ مادی دنیا ایسی کھیتی ہے جس میں آخرت کی زندگی کے کانٹے یا پھولوں کے بیج ڈالے جاتے ہیں اگر کسی بندے نے شیطانی وسوسوں کے تحت اس زمین میں کانٹوں کی کھیتی بوئی ہے تو آخرت میں بھی کانٹے چبھنا، کانٹے توڑنا اور کانٹے کھانا اس کا مقدر ہے۔ اور کسی بندے نے اگر اس مزرع آخرت میں انبیاء کی تعلیمات کے مطابق اور ان کے وارث اولیاءاللہ کی زندگی کے اعمال و وظائف کی روشنی میں ایسی کاشت کی ہے جس کاشت کے نتیجے میں سایہ دار درخت پھول دار اور خوش نما باغات وجود میں آتے ہیں تو مرنے کے بعد اس کا اثاثہ یہی خوش نما باغات ہیں۔ بات سیدھی اور صاف ہے اس دنیا میں ہم جو کچھ کرتے ہیں اس کے مطابق ہم جزاء کے مستحق ہوتے ہیں یا عذاب ناک زندگی ہمارے اوپر مسلط ہو جاتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کے مطابق:

"مر جاؤ مرنے سے پہلے"

اس بات کی تشریح ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے یعنی مٹی سے وجود میں آنے والے حواس کے ساتھ یہ بات ہم جان لیں کہ اس دنیا کے بعد دوسری زندگی کا دار و مدار ہمارے اپنے ذاتی اختیار اور عمل پر ہے۔

قرآن پاک نے اسی بات کو بار بار ارشاد کیا ہے:

"تفکر کرو، عقل و شعور سے کام لو، زمین پر پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیوں کا کھوج لگاؤ۔"

اپنی تخلیق پر غور کرو کہ کس طرح وجود میں آئے کس طرح اللہ کریم نے حفاظت کے ساتھ تمہیں پرورش کیا۔ پروان چڑھایا۔

تمہارے اوپر جوانی کا دور آیا۔ تمہیں اللہ نے طاقت عطا کی، ایسی طاقت کہ تم اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ زمین پر دوڑنے لگے اور اس ہی طاقت اور اختیار کے ساتھ زمین پر دوڑنے لگے اور اس ہی طاقت اور اختیار کے ساتھ زمین کی کوکھ میں سے تم نے اپنے لئے وسائل تلاش کئے۔ دریاؤں میں کشتیاں چلا دیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اللہ نے تم کو اتنی بڑی طاقت عطا کی کہ زمین پر پھیلے ہوئے

وسائل تمہاری دسترس میں آگئے یہی بندہ جو ناقابل تذکرہ شئے تھا۔ پیدائش کے بعد اس قابل بھی نہ تھا کہ اپنے ارادے حرکت کر سکے۔ کروٹ بدل سکے یا بیٹھ سکے، مکھی اڑا سکے۔ اس گوشت پوست کے لوتھڑے کو اللہ نے اتنی سکت عطا کی کہ اس کے وجود سے اور اس کے اندر مخفی صلاحیتوں سے طرح طرح کی مصنوعات وجود میں آگئیں۔

جب انسان مادے کے اندت تفکر کرتا ہے تو اس مادے کی طاقت اور توانائی کو اپنے لئے مفید بنالیتا ہے یا ضرر رساں بنالیتا ہے۔ مادی ترقی کے پس منظر میں ایک اور صلاحیت پوشیدہ ہے جس کو روح کا نام دیا جاتا ہے۔ مادے کے اندر سے جو صلاحیتیں آشکارا ہو رہی ہیں وہ دراصل اسی روح کا ایک ہلکا سا عکس ہے۔ ابھی ہم نے عرض کیا تھا کہ انسان اپنی زندگی میں جو کچھ ہوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ اس کی جو کمائی ہوتی ہے اس کے مطابق اس کا صلہ ملتا ہے۔

اگر انسانی ذہن تفکر کے ساتھ عظیم طاقت بجلی کو تلاش کر سکتا ہے تو انسان اپنے اندر اس آنکھ کو بھی تلاش کر لیتا ہے جو آنکھ زمان و مکان سے ماوراء دیکھتی ہے۔ جس آنکھ کے سامنے اس زندگی اور مرنے کے بعد کی زندگی کے درمیان حائل پردے معدوم ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ آنکھ ہے جس سے اولیاء اللہ باطنی واردات اور کیفیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہی وہ آنکھ ہے جو کھل جائے تو کشف القبور ہو جاتا ہے۔ یعنی مرنے والوں کی روح سے آدمی اس طرح گفتگو کر سکتا ہے جس طرح عالم اسباب میں رہتے ہوئے جسمانی خدوخال سے مرکب دو آدمی گفتگو کرتے ہیں۔ یہی وہ آنکھ ہے کہ اس آنکھ کی طاقت اور برکت سے اللہ کے دوست عرش پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں۔ اس باطنی آنکھ کے سامنے سب سے پہلے جو چیز آتی ہے یہ وہ عالم ہے جس کو عالم اعراف یا موت کے بعد کی زندگی کہتے ہیں۔ یعنی گوشت پوست کے جسم سے رشتہ منقطع ہونے کے بعد آدمی جس دنیا میں قدم رکھتا ہے، باطنی آنکھ اس دنیا کو دیکھ لیتی ہے۔ جنت میں چلے جانا اس کے لئے معمول بن جاتا ہے اور اس کے برعکس اگر جسمانی زندگی میں کسی بندے نے اپنی باطنی آنکھ نہیں کھولی تو اس کے اوپر محرومی مسلط ہو جاتی ہے۔

مرنے کے بعد بھی اس کی نظر محدود رہتی ہے۔ جس طرح بندہ اس دنیا میں دیوار کے پیچھے نہیں دیکھ سکتا۔ اس طرح اس دنیا میں بھی وہ کوتاہ نظر رہتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ باطنی نظر کس طرح کھلے اس کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث اولیاء اللہ نے اسباق ترتیب دیئے ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی روح سے اور روح میں پوشیدہ صلاحیتوں سے واقف ہو سکتے ہیں۔ روح سے واقف بندہ اس مادی دنیا کی حقیقت سے باخبر ہوتا ہے۔ غم و خوف اس پر مسلط نہیں ہوتا اور وہ سکون آشنا زندگی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل ہے۔ ''اسرائیل'' عبرانی زبان کا لفظ ہے جو ''اسرا'' یعنی عبد اور ''ایل'' یعنی اللہ کے الفاظ کا مرکب ہے۔ عربی میں اس کا ترجمہ ''عبداللہ'' یعنی اللہ کا بندہ کیا جاتا ہے۔ آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس وقت حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت اور منصب نبوت پر سرفرازی کی بشارت دی گئی تھی اسی وقت آپ علیہ السلام کی پیدائش اور جلیل القدر پیغمبر ہونے کی بشارت بھی دی گئی۔

''اور بخشا ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوب دیا انعام میں' اور سب کو نیک بخت کیا۔''

(الانبیاء)

حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے چھوٹے بھائی تھے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سنائی گئی اس وقت ان کی عمر سو سال تھی اور حضرت سارہؓ کی عمر ۹۰ سال تھی۔ قرآن پاک میں بشارت سے متعلق واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے فرشتوں کی جماعت سدوم کی آبادیوں کی طرف جانے سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے۔ انہوں نے بھنا ہوا گوشت آنے والے مہمانوں کے سامنے رکھا لیکن مہمانوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تشویش ہوئی کہ مہمانوں کے روپ میں یہ لوگ کون ہیں؟ تب فرشتوں نے اپنا تعارف کرایا اور بتایا کہ وہ قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت سارہؓ کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی۔ حضرت سارہؓ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ابھی تک کوئی اولاد نہ تھی۔

انہوں نے فرشتوں کی زبانی جب یہ بشارت سنی تو انہیں حیرت ہوئی کہ عمر کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ انہیں اولاد سے نوازیں گے؟

اس پر فرشتوں نے کہا۔

''وہ بولے، یوں ہی کہا تیرے رب نے، وہ جو ہے، وہی ہے حکمت والا خبر دار۔''

(الذریت)

اسحاق اصل تلفظ کے اعتبار سے ''یصحق'' ہے۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ جس کے معانی ''ہنستا ہوا'' ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی جائے پیدائش شام کی سرزمین تھی۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر کے سفر کے بعد اقامت گزیں تھے۔ محققین حضرت اسحٰق علیہ السلام کا سنِ پیدائش (۲۰۶۰) قبل مسیح بتاتے ہیں۔

آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور جلیل القدر پیغمبر تھے۔ آپ کے بعد بنی اسرائیل میں جتنے بھی رسول اور نبی مبعوث ہوئے وہ سب آپ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ نے اپنے والد حضرت ابراھیمؑ کے پیغام ہدایت کی ترویج کا کام جاری رکھا اور قوم کو توحید اور دین حق کی پیروی کرنے کی تلقین کی۔ قرآن حکیم نے آپ کے حالات زندگی سے متعلق تفصیلات بیان نہیں کی ہیں۔ مختلف آیات میں آپ کے نبی ہونے اور آپ پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا ذکر ہے۔ توریت کی تصریح کے مطابق آپ کی شادی حضرت ابراھیمؑ کے بھائی ناحور کی پوتی ربقہ سے ہوئی۔ جن کے بطن سے آپ کے جڑواں بیٹے عیسو ادوم اور حضرت یعقوب علیہ السلام تولد ہوئے۔ اس وقت حضرت اسحٰق علیہ السلام کی عمر ۶۰ سال تھی۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ آپ نے ایک سو اسی (۱۸۰) برس کی عمر میں کنعان میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مدفن قریہ اربع (حبرون) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سارہؓ کے پہلو میں بتایا جاتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد حضرت اسحٰق علیہ السلام اس بات سے واقف تھے کہ رشد و ہدایت کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرزند حضرت یعقوب علیہ السلام کو چن لیا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو باپ کی توجہ اور محبت اپنے بھائی کی نسبت زیادہ حاصل تھی۔ عیسو ادوم حضرت یعقوب علیہ السلام کے برادرِ توام تھے اور آپ علیہ السلام سے پہلے ان کی ولادت ہوئی تھی۔ عیسو ادوم ماہر شکاری تھے اور شکار کے گوشت سے اپنے والد کی تواضع کیا کرتے تھے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام نے ایک روز اس خواہش کا اظہار کیا کہ عمدہ کھانے سے ان کی تواضع کی جائے۔ عیسو ادوم اس مقصد کے لئے شکار کرنے چلے گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے گھر پر کھانا بنایا اور باپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام نے خوش ہو کر انہیں خیر و برکت کی دعا دی۔ عیسو ادوم جب واپس آئے تو انہیں یہ معلوم کر کے رنج ہوا کہ ان کے بھائی نے پہلے ہی باپ کی تواضع عمدہ کھانے سے کر دی ہے۔ ابلیس نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا کہ جو خیر و برکت انہیں ملنے والی تھی ان کے بھائی یعقوب نے انہیں اس سے محروم کر دیا ہے۔ بشری کمزوری کے تحت وہ اپنے بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام سے ناراض ہو گئے۔ یہ ناراضگی اور رنجش جب بڑھنے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی والدہ نے انہیں اپنے بھائی ''لابان'' کے پاس فدان ارام بھیج دیا تا کہ دونوں بھائی کچھ

عرصہ ایک دوسرے سے جدا رہیں اور آپس کے تعلقات بگڑنے نہ پائیں۔ عیسو ادوم اس بات پر ناراض ہو کر اپنے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس چلے گئے۔ جہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی صاحبزادی سے ان کی شادی ہوئی اور وہ اور ان کی اولاد وہیں آباد ہوئی۔ تاہم دونوں بھائیوں کے باہمی تعلقات بعد میں خوشگوار رہے۔

لابان کے پاس حضرت یعقوب علیہ السلام کے قیام کا عرصہ ۲۰ سال بتایا جاتا ہے۔ اس وقفہ سے متعلق توریت میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ کے ماموں نے آپ سے عہد لیا کہ اگر آپ دس سال ان کے یہاں رہ کر بکریاں چرائیں تو وہ اس مدت کو مہر قرار دے کر اپنی بیٹی آپ کے عقد میں دے دیں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ مدت پوری کر دی تو آپ کے ماموں لابان نے اپنی بڑی لڑکی ''لیہ'' آپ کے عقد میں دینا چاہی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا رجحانِ طبع چھوٹی لڑکی ''راحیل'' کی طرف تھا۔ لیکن دستور کے مطابق بڑی لڑکی سے پہلے چھوٹی لڑکی کی شادی نہ ہو سکتی تھی۔ آپ کے ماموں نے اس کا حل یہ پیش کیا کہ آپ بڑی لڑکی سے شادی کر لیں اور ان کے یہاں اپنا قیام سات سال مزید بڑھا دیں تب چھوٹی لڑکی بھی آپ کے عقد میں دے دی جائے گی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے مشورہ پر عمل کیا اور اس طرح یکے بعد دیگرے دونوں بہنیں بیک وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کے عقد میں آ گئیں۔ لیہ اور راحیل کے علاوہ زلفا اور بلہا بھی آپ کے حلقہ زوجیت میں آئیں۔ مؤخر الذکر دونوں ازدواج پہلی بیویوں کی خالہ زاد تھیں۔ کتاب مقدس کے باب پیدائش میں ازدواج اور اولاد سے متعلق تفصیل اس طرح ہے کہ پہلے لیہ سے چار بیٹے تولد ہوئے اور راحیل سے کوئی اولاد نہ تھی۔ تب راحیل نے اپنی کنیز بلہا آپ کی زوجیت میں دے دی۔ جن سے دو بیٹے تولد ہوئے۔ اس دوران لیہ سے مزید اولاد نہ ہوئی تو انہوں نے بھی اپنی کنیز زلفا کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے حلقہ زوجیت میں دے دیا۔ ان سے بھی دو بیٹے ہوئے اس کے بعد لیہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ آخر میں راحیل سے بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیٹے تولد ہوئے یہ دونوں بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بن یامین تھے۔ اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے ۱۲ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ سب سے چھوٹے فرزند بن یامین کے علاوہ تمام اولاد فدان ارام میں پیدا ہوئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے ماموں ''لابان'' کے پاس سے جب فلسطین واپس آئے تو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بہت سامال و متاع دے کر رخصت کیا۔ بن یامین کی پیدائش فلسطین میں ہوئی۔

قرآن حکیم میں آپ کے جلیل القدر نبی ہونے کا تذکرہ متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔ آپ اہل کنعان کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ محققین کے مطابق آپ کے زمانے میں کنعان کا بادشاہ سلجم ابن دارا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے سلجم اور اس کی قوم کو حق و معرفت کی راہ اپنانے کی دعوت دی۔ لیکن سرکشوں نے اسے قبول نہ کیا اور بالآخر وہ لوگ زلزلے کی لپیٹ میں آ کر ہلاک ہو گئے۔

قرآن حکیم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ''اسباط'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سبط اس درخت کو کہتے ہیں، جس کی بہت سی شاخیں ہوں۔ قبائل بنی اسرائیل کی ابتداء آپ کی اولاد سے ہوئی اور بنی اسرائیل میں انبیاء کا جو سلسلہ قائم ہوا وہ سب آپ کی اولاد میں سے تھے۔ لفظ ''اسباط'' اسی طرف اشارہ ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک سو سینتالیس برس کی عمر میں مصر میں وفات پائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے آپ کے جسد خاکی آپ کی وصیت کے مطابق کنعان لے جاکر حضرت سارہؓ حضرت ربقہ اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا۔

قرآن حکیم میں مذکورہ انبیاء علیہم السلام کے تذکرے ہمیں اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ ہم اللہ کے برگزیدہ بندوں کی طرز فکر سے وقوف حاصل کریں۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے منسوب واقعات کے تسلسل کا بغور جائزہ لینے پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایسے ذہن کے حامل ہوتے ہیں۔ جن میں صبر اور شکر کی طرزیں مستحکم ہوتی ہیں۔ وہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے حامل ہونے پر شکر ادا کرتے ہیں اور کسی نعمت کے حاصل نہ ہونے پر اس وجہ ملول اور غمگین نہیں ہو جاتے کہ اللہ کے ناپسندیدہ لوگوں کا طرز عمل اختیار کرلیں اور گلے شکوے کرنے لگیں۔ وہ مشیت الٰہی کے تابع ہوتے ہیں اور نظام قدرت کے تحت ترتیب پانے والے واقعات میں رضائے الٰہی ان کے مطمح نظر ہوتی ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ وسیع تر اختیارات کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن واقعات کو اپنے حق میں استوار کرنے کے لئے ان کے مندرجات اور تریب میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے بلکہ اللہ کے حضور عجز و انکساری کا نذرانہ پیش کرکے التجا کرتے ہیں کہ رب کائنات ان کو ثابت قدمی اور صبر و استقامت عطا فرمائے تاکہ وہ اس امتحان میں پورے اتریں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی تمام زندگی میں صبر و استقلال کا عظیم الشان مظاہرہ کیا۔ جب آپ کے فرزند اور جلیل القدر پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے ہی بھائیوں کے حسد کا شکار ہو کر باپ سے جدا ہوگئے تو باوجود اس کے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حقیقت حال سے باخبر تھے۔ وہ مشیت الٰہی کے تحت خاموش رہے اور انہوں نے رب کائنات کے انتظام کے تحت بیٹے سے ملنے کا انتظار کیا۔ بشری تقاضے کے تحت وہ بیٹے کی جدائی میں روتے رہے لیکن ناشکری اور نافرمانی کا ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہ کیا۔ پیغمبروں کی ساری زندگی اس عمل سے عبارت ہے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے۔ تمام انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کے اندر استغناء کی طرز فکر راسخ ہوتی ہے۔ انبیاء اس طرز فکر کو حاصل کرنے کا اہتمام اس طرح کیا کرتے تھے کہ وہ کسی چیز کے متعلق سوچتے تھے تو اس چیز کے اور اپنے درمیان کوئی رشتہ براہ راست قائم نہیں کرتے تھے۔ ان کی طرز فکر ہمیشہ یہ ہوتی تھی کہ کائنات کی تمام چیزوں کا اور ہمارا مالک اللہ ہے، کسی چیز کا رشتہ براست ہم سے نہیں ہے۔ بلکہ ہم سے ہر چیز کا رشتہ اللہ کی معرفت ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی یہ طرز فکر مستحکم ہو جاتی ہے اور ان کا ذہن ایسے رجحانات پیدا کرلیتا کہ جب وہ کسی چیز کی طرف مخاطب ہوتے تو اس چیز کی طرف

خیال جانے سے پہلے اللہ کی طرف خیال جاتا۔انہیں کسی چیز کی طرف توجہ دینے سے پیشتر یہ احساس عادتاًہوتا کہ یہ چیز ہم سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھتی۔اس چیز کا اور ہمارا واسطہ محض اللہ کی وجہ سے ہے۔

اس طرز عمل میں ذہن کی ہر حرکت کے ساتھ اللہ کا احساس قائم ہو جاتا ہے۔اللہ ہی بحیثیت محسوس کے ان کا مخاطب ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اللہ کی صفات ان کے ذہن میں ایک مستقل مقام حاصل کر لیتی ہیں اور ان کا ذہن اللہ کی صفات کا قائم مقام بن جاتا ہے۔غور و فکر کیا جائے تو سوچنے اور سمجھنے کے کئی رخ متعین ہوتے ہیں۔تفصیل میں جانے کے بجائے ہم دو رخ کا تذکرہ کرتے ہیں۔وہ لوگ جو علمی اعتبار سے مستحکم ذہن ہیں یعنی ایسا ذہن رکھتے ہیں جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے،وہ کہتے ہیں کہ ہمارا یقین ہے کہ ہر چیز،اس کی دنیا میں کوئی بھی حیثیت ہو، چھوٹی ہو یا بڑی،راحت ہو یا تکلیف سب اللہ کی طرف سے ہے۔ان لوگوں کے مشاہدے میں یہ بات آجاتی ہے کہ کائنات میں جو کچھ موجود ہے،جو ہو رہا ہے،جو ہو چکا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے اس کا براہ راست تعلق اللہ کی ذات سے ہے۔یعنی جس طرح اللہ کے ذہن میں کسی چیز کا وجود ہے اسی طرح اس کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

راسخ فی العلم لوگوں کے ذہن میں یقین کا ایسا پیٹرن بن جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا ہر عمل اور زندگی کی ہر حرکت،ہر ضرورت اللہ کے ساتھ وابستہ کر دیتے ہیں۔یہی پیغمبروں کی طرز فکر ہے۔ان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ ہمارے لئے اللہ نے جو نعمتیں مخصوص کر دی ہیں،وہ ہمیں ہر حال میں میسر آئیں گی اور یہ یقین ان کے اندر استغناء کی طاقت پیدا کر دیتا ہے۔قلندر بابا اولیاءؒ کا ارشاد ہے کہ استغناء بغیر یقین کے پیدا نہیں ہوتا اور یقین کی تکمیل بغیر مشاہدے کے نہیں ہوتی اور جس آدمی کے اندر استغناء نہیں ہوتا اس آدمی کا تعلق اللہ سے کم اور مادی دنیا (اسفل) سے زیادہ رہتا ہے۔

روحانیت ایسے اسباق کی دستاویز ہے جن اسباق میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ سکون کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر استغناء ہو۔استغناء کے لئے ضروری ہے کہ قادر مطلق ہستی پر توکل ہو توکل کو مستحکم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر ایمان ہو اور ایمان کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر وہ نظر کام کرتی ہے جو نظر غیب میں دیکھتی ہے۔بصورت دیگر کبھی کسی بندے کو سکون میسر نہیں آسکتا۔آج کی دنیا میں عجیب صورت حال ہے کہ ہر آدمی دولت کے انبار اپنے گرد جمع کرنا چاہتا ہے اور یہ شکایت کرتا ہے کہ سکون نہیں ہے،سکون کوئی عارضی چیز نہیں ہے،سکون ایک کیفیت کا نام ہے جو یقینی ہے اور جس کے اوپر کبھی موت وارد نہیں ہوتی۔ایسی چیزوں سے جو عارضی ہیں،فانی ہیں اور جن کے اوپر ہماری ظاہری آنکھوں کے سامنے بھی موت وارد ہوتی رہتی ہے،ان سے کسی طرح سکون نہیں مل سکتا ہے۔استغناء ایک ایسی طرز فکر ہے جس میں آدمی فانی اور مادی چیزوں سے ذہن ہٹا کر حقیقی اور لافانی چیزوں میں تفکر کرتا ہے۔یہ تفکر جب قدم قدم چلا کر کسی بندے کو غیب میں داخل کر دیتا ہے تو سب سے پہلے اس کے اندر یقین پیدا ہوتا ہے۔جیسے ہی یقین کی کرن دماغ میں پھوٹتی ہے وہ نظر کام کرنے لگتی ہے جو نظر

غیب کا مشاہدہ کرتی ہے۔ غیب میں مشاہدے کے بعد کسی بندے پر جب یہ راز منکشف ہو جاتا ہے کہ ساری کائنات کی باگ دوڑ ایک واحد ہستی کے ہاتھ میں ہے تو اس کا تمام تر ذہنی رجحان اس ذات پر مرکوز ہو جاتا ہے اور اس مرکزیت کے بعد استغناء کا درخت آدمی کے اندر شاخ در شاخ پھیلتا رہتا ہے۔

استغناء سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی پیسے کی طرف سے بے نیاز ہو جائے۔ روپے پیسے اور خواہشات سے کوئی بندہ بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ضروریات زندگی اور متعلقین کی کفالت ایک لازمی امر ہے اور اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ استغناء سے مراد یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کرے، اس عمل میں اس کے ساتھ اللہ کی خوشنودی ہو اور اس طرز فکر یا عمل سے اللہ کی مخلوق کو کسی طرح نقصان نہ پہنچے۔ ہر بندہ خود خوش رہے اور نوع انسانی کے لئے مصیبت اور آزاد کا سبب نہ بنے۔ ضروری ہے کہ بندے کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو کہ کائنات میں موجود ہر شئے کا مالک در وبست اللہ ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے زمین بنائی، اللہ ہی ہے جس نے بیج بنایا، اللہ ہی ہے جس نے زمین کو اور بیج کو یہ وصف بخشا کہ بیج درخت میں تبدیل ہو جائے اور زمین اس کو اپنی آغوش میں پروان چڑھائے۔ پانی درختوں کی رگوں میں خون کی طرح دوڑے۔ ہوا روشنی بن کر درخت کے اندر کام کرنے والے رنگوں کا توازن قائم رکھے۔ دھوپ درخت کے ناپختہ پھلوں کو پکانے کے لئے مسلسل ربط اور قاعدے کے ساتھ درخت سے ہم رشتہ ہے۔ چاندنی پھلوں میں مٹھاس پیدا کرے۔ زمین کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ ایسے درخت لگائے جو انسان کی ضروریات کو پورا کریں۔ درختوں کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ ایسے پتے اور پھل پیدا کریں کہ جن سے مخلوق کی ضرورت موسم کے لحاظ سے پوری ہوتی رہیں۔

اللہ یہ چاہتا ہے کہ کائنات کے اندر موجود ہر شئے مسلسل حرکت میں رہے۔ جو بندے اللہ کے اس فرمان، اس خواہش اور اس وصف کو قبول کر کے جدوجہد کرتے ہیں، وہ کائنات کے رکن بن جاتے ہیں اور یہ رکنیت کائنات کو متحرک اور فعال رکھتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ نوع انسانی کے افراد کو پیدائش کے وقت ظھنی طور پر پس ماندہ یا پاگل یا مخبوط الحواس کر دے تو انسان کیا کر سکتا ہے اور س سے کون سی ترقی ممکن ہے۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ ایسے بچے بھی پیدا ہوتے ہیں جو ترقی اور تنزلی سے واقف ہی نہیں ہوتے۔

وہ لوگ جن کے اندر اللہ کی ذات کے ساتھ وابستگی ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کے ہر عمل پر اللہ محیط ہے۔ جب کسی بندے کے اندر یہ طرز فکر پوری طرح قائم ہو جاتی ہے تو روحانیت میں ایسے بندے کا نام مستغنی ہے۔ جب کوئی بندہ مستغنی ہو جاتا ہے تو اس کے اندر ایسی طرز فکر قائم ہو جاتی ہے کہ وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ میرا تعلق ایک ایسی ہستی کے ساتھ قائم ہے جو میری زندگی پر محیط ہے۔ بار بار جب یہ احساس ابھرتا ہے تو یہ احساس ایک مظاہراتی شکل اختیار کر لیتا ہے اور وہ یہ دیکھنے لگتا ہے کہ روشنی کا ایک دائرہ ہے اور میں اس دائرے میں موجود ہوں۔ یہ دائرہ ایک روشنی ہے اور اس روشنی میں بشمول انسان ساری کائنات بند ہے۔ اس بات کو تمام آسمانی کتابوں نے بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آسمانی کتابیں بتاتی ہیں کہ آسمان اور زمین جس بساط پر قائم ہے، وہ

ایک روشنی ہے۔ جو ہر لمحہ، ہر آن کائنات کی ہر چیز کو اللہ کے ساتھ وابستہ کئے ہوئے ہے۔ مستغنی آدمی کی نظر جب اس دائرے یا روشنی کے ہالے پر ٹھہرتی ہے تو اس کی نظروں کے سامنے وہ فارمولے آجاتے ہیں۔ جن فارمولوں سے تخلیق عمل میں آتی ہے۔

عام حالات میں جب استغناء کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے اوپر کتنا توکل اور بھروسہ ہے۔ توکل اور بھروسے کی تعریف کرتے ہیں تو ہمیں بجز اس کے کچھ نظر نہیں آتا کہ ہماری دوسرے عبادات کی طرح توکل اور بھروسہ بھی لفظوں کا ایک خوش نما جال ہے۔ توکل اور بھروسہ سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دے۔ لیکن جب ہم فی العمل زندگی کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ بات محض لفظی اور غیر یقینی نظر آتی ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ ہر آدمی کی زندگی میں اس کا عمل دخل ہے۔ ہر آدمی کچھ اس طرح سوچتا ہے کہ ادارے کا مالک یا سیٹھ اگر مجھ سے ناراض ہو گیا تو ملازمت سے برخاست کر دیا جاؤں گا یا میری ترقی نہیں ہو گی یا ترقی تنزلی میں تبدیل ہو جائے گی۔ یہ بات بھی ہمارے سامنے ہے کہ جب کسی کام کا نتیجہ اچھا مرتب ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ نتیجہ ہماری عقل، ہماری ہمت اور ہماری فہم و فراست سے مرتب ہوا ہے۔ اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بندے کا اللہ کے اوپر توکل اور بھروسہ محض مفروضہ ہے۔ جس بندے کے اندر توکل اور بھروسہ نہیں ہوتا، اس کے اندر استغناء بھی نہیں ہوتا۔ توکل اور بھروسہ دراصل ایک خاص تعلق ہے۔ جو بندے اور اللہ کے درمیان قائم ہے اور جس بندے کا اللہ کے ساتھ یہ تعلق قائم ہو جاتا ہے، اس کے اندر سے دنیا کا لالچ نکل جاتا ہے۔ ایسا بندہ دوسرے تمام بندوں کی مدد و استعانت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ وہ یہ جان لیتا ہے کہ اللہ کی صفات یہ ہیں کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اللہ اپنی مخلوق سے کسی قسم کا احتیاج نہیں رکھتا۔ اللہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ ہے۔ اللہ کا کوئی خاندان بھی نہیں ہے۔

ان صفات کی روشنی میں جب ہم مخلوق کا تجزیہ کرتے ہیں تو جان لیتے ہیں کہ مخلوق ایک نہیں ہے۔ مخلوق ہمیشہ کثرت سے ہوتی ہے۔ مخلوق زندگی کے اعمال و حرکات پورے کرنے پر کسی نہ کسی احتیاج کی پابند ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مخلوق کسی کی اولاد ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ مخلوق کی کوئی اولاد ہو اور مخلوق کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی خاندان ہو۔ بیان کردہ ان پانچ ایجنسیوں میں جب تفکر سے کام لیا جاتا ہے تو یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ اللہ کی بیان کردہ پانچ صفات میں سے مخلوق ایک صفت میں اللہ کی ذات سے براہ راست تعلق قائم کر سکتی ہے۔ مخلوق کے لئے یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ وہ کثرت سے بے نیاز ہو جائے۔ مخلوق اس بات پر بھی مجبور ہے کہ اس کی اولاد ہو یا وہ کسی کی اولاد ہو۔ مخلوق کا خاندان ہونا بھی ضروری ہے۔

اللہ کی پانچ صفات میں سے چار صفات میں مخلوق اپنا اختیار استعمال نہیں کر سکتی۔ صرف ایک حیثیت میں مخلوق اللہ کی صفت سے ہم رشتہ ہو سکتی ہے۔ وہ صفت یہ ہے کہ تمام وسائل سے ذہن ہٹا کر اپنی ضروریات اور احتیاج کو اللہ کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے۔

بندے کے اندر اگر مخلوق کے ساتھ احتیاجی عوامل کام کر رہے ہیں تو وہ توکل اور بھروسہ کے اعمال سے دور ہے۔

روحانیت کے راستے پر چلنے والے مسافر کو اس بات کی مشق کرائی جاتی ہے کہ زندگی کے تمام تقاضے اور زندگی کی تمام حرکات و سکنات جب شاگرد دروبست پیر و مرشد کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ اس کی تمام ضروریات کا کفیل بن جاتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح ایک دودھ پیتے بچے کے کفیل اس کے ماں باپ ہوتے ہیں۔ جب تک بچہ شعور کے دائرے میں داخل نہیں ہوتا، ماں باپ چوبیس گھنٹے اس کی فکر میں مبتلا رہتے ہیں۔ گھر کا دروازہ نہ کھلے کہ بچہ باہر نکل جائے گا۔ سردی ہے تو بچے نے کپڑے کیوں اتار دیئے۔ سردی لگ جائے گی۔ کھانا وقت پر نہیں کھایا تو ماں باپ پریشان ہیں کہ بچے نے وقت پر کھانا کیوں نہیں کھایا۔ بچہ ضرورت سے زیادہ سو گیا تو اس بات کی فکر کہ کیوں زیادہ سو گیا۔ نیند کم آئی تو یہ پریشانی کہ بچہ کم کیوں سویا۔ ہر شخص جو پیدا ہوا ہے اور جس کی اولاد ہے اور جس نے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو دیکھا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ بچے کی تمام بنیادی ضروریات کے کفیل اس کے ماں باپ ہوتے ہیں اور یہ کفالت اس طرح پوری کی جاتی ہے کہ جس کا تعلق بچے کے اپنے ذہن سے قطعاً نہیں ہوتا۔ چونکہ شاگرد یا مرید پیر و مرشد کا ذہن مرید کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ جب شیخ مرید کی کفالت کرتا ہے تو مرید کا شعور یہ بات جان لیتا ہے کہ جو بندہ میری کفالت کر رہا ہے، اس کا کفیل اللہ ہے اور رفتہ رفتہ اس کا ذہن آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی تمام ضروریات اور تمام احتیاج اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہو جاتی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام کا زمانہ کم و بیش دو ہزار سال قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔ آپ کے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور جلیل القدر نبی تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر 73 سال تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح ہے:

''یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام بن اسحٰق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام۔''

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام راحیل بنت لابان تھا۔ والدین کو آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ نور نبوت کی چمک اوائل عمر سے آپ کی پیشانی سے جھلک رہی تھی۔ آپ کا حسن و جمال اسی نور نبوت کا پرتو تھا۔ آپ کی دماغی اور فطری استعداد اور دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں نمایاں اور ممتاز تھی۔ حسن و جمال اور خداداد صلاحیتوں کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ والدین کی توجہ کا مرکز ہونے کی بناءپر آپ کے سوتیلے بھائی آپ سے حسد کرتے تھے۔

قرآن حکیم میں ایک مکمل سورۃ حضرت یوسف علیہ السلام کے نام گرامی سے منسوب ہے۔ جس میں آپ کے حالات زندگی کا تذکرہ ہوا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو قرآن حکیم میں ''احسن القصص'' کہا گیا ہے۔ یہ قصہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب سے شروع ہوتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا:

''اے میرے باپ! میں نے خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے، چاند اور سورج مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

''میرے بیٹے جس طرح تو نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند تیرے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ اسی طرح تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ کرنے والا ہے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جنہیں اللہ کی طرف سے بصیرت عطا ہوئی تھی اپنے لخت جگر کو یہ بھی کہا کہ اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام سے الفت و محبت، حضرت یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائیوں کو ناگوار گزرتی تھی۔ ایک روز حضرت یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائیوں نے پروگرام بنایا کہ انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے اس مقصد کے لئے سب بھائیوں نے مل کر باپ سے اجازت طلب کی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ جنگل میں لے جائیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کے بھائیوں کی مخاصمت سے باخبر تھے، بھائیوں کے بے انتہا اصرار کے بعد انہوں نے نیم دلی سے اجازت دے دی۔ سوتیلے بھائی سیر کے بہانے حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے گئے اور واپس آتے ہوئے انہیں ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا اور مکر وفریب سے روتے ہوئے گھر لوٹ آئے۔ باپ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کی عدم موجودگی کا یہ عذر پیش کیا کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا ہے اور ثبوت کے طور پر بکری کے خون میں رنگے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑے باپ کو دکھائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام گو کہ ان کا حیلہ سمجھ گئے تھے لیکن رضائے الٰہی سمجھ کر خاموش ہو رہے اور بشری تقاضے کے تحت اپنے لخت جگر کی جدائی میں اتنا روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں۔

جس اندھے کنوئیں میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈالا گیا تھا اس کے قریب سے اسمعیلی عربوں کا مصر جانے والا قافلہ گزرا۔ قافلے والوں نے پانی کے لئے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام اسے پکڑ کر کنوئیں سے باہر نکل آئے۔ قافلہ والے آپ کو مصر ساتھ لے گئے اور مصر کے بازار میں نیلام کر دیا۔ مصری فوج کے سپہ سالار ''فوطیفار'' نے آپ کو خریدا۔ فوطیفار فرعون کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور لوگ اسے ''عزیزِ مصر'' کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ دور حضرت یوسف علیہ السلام کی جوانی کا دور تھا۔ حسن و خوبروئی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا، جو ان کے اندر موجود نہ ہو۔ عزیز مصر کی بیوی ''زلیخا'' دل پر قابو نہ رکھ سکی اور حضرت یوسف علیہ السلام پر پروانہ وار نثار ہو گئی۔

عصمت و حیا کے پیکر حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک لمحہ کے لئے بھی زلیخا کی حوصلہ افزائی نہ کی، بلکہ اسے بے قراری کی حالت میں چھوڑ کر کمرے سے باہر جانے لگے، زلیخا نے انہیں روکنا چاہا۔ جس سے آپ کی قمیض پھٹ گئی۔ دروازہ کھلا تو عزیز مصر کی بیوی کا چچا زاد بھائی سامنے کھڑا تھا۔ زلیخا نے مکر سے کام لیا اور حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگا دیا کہ آپ نے اس کی عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ شخص ذکی، فطین، ہوشیار اور معاملہ فہم تھا۔ اس نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کا پیراہن دیکھنا چاہئے اگر

سامنے سے چاک ہے تو زلیخا سچ بولتی ہے۔ اگر پیچھے سے چاک ہے تو یوسف علیہ السلام بے گناہ ہیں۔ دیکھا کہ پیراہن پیچھے سے چاک تھا۔ عزیز مصر کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے معاملہ رفع دفع کر دیا مگر خاندان میں یہ بات کسی نہ کسی طرح پھیل ہی گئی۔ عورتوں نے زلیخا پر لعن طعن کرنا شروع کر دیا۔ زلیخا نے حقیقت حال ان پر آشکارا کرنے کے لئے ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ تواضع کے لئے پھل رکھے گئے۔ زلیخا نے مہمانوں کو پھل کاٹنے کو کہا اور عین اسی وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو قریب سے گزارا گیا۔ حسن و جمال کے مجسمہ اور مردانہ وجاہت کے پیکر یوسف علیہ السلام پر جب عورتوں کی نگاہ پڑی تو ان کے حواس معطل ہو گئے اور انہوں نے پھلوں کے ساتھ اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔

زلیخا نے مقصد براری کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کو تنگ کرنا جاری رکھا اور بالآخر آپ پر طرح طرح کے الزامات لگا کر جیل بھجوا دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام سات برس جیل میں قید رہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام خدائے بزرگ و برتر کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ دین ابراہیمی کی دعوت و تبلیغ منصب نبوت کا تقاضہ تھا چنانچہ قید کے دوران آپ قیدیوں کو توحید کی راہ اختیار کرنے کی دعوت دیتے رہتے تھے۔ نیک عمل کی تلقین اور برائیوں سے دامن بچانے کی نصیحت کرتے تھے۔ دوران قید آپ کے وعظ و تلقین کا تذکرہ قرآن میں ان الفاظ میں ہوا ہے۔

"اے رفیقو بندی خانے کے! بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر؟ یا اللہ اکیلا زبردست۔ کچھ نہیں پوجتے ہو سوا اس کے مگر نام ہیں کہ رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے، نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند، حکومت نہیں ہے کسی کی سوا اللہ کے، اس نے فرمادیا کہ نہ پوجو مگر اس کو یہی ہے راہ سیدھی پر بہت لوگ نہیں جانتے۔" (سورہ یوسف)

جیل خانہ کے دوسرے قیدی حضرت یوسف علیہ السلام کی پرہیز گاری، عبادات اور نیک اعمال کی بدولت ان کا ادب و احترام کرتے تھے اور ان کو برگزیدہ شخصیت مانتے تھے۔ ان میں سے دو قیدیوں نے خواب دیکھے۔ قیدیوں نے جن میں سے ایک بادشاہ کا ساقی اور دوسرا باورچی تھا اور وہ بادشاہ کو زہر سے ہلاک کرنے کی سازش میں پکڑے گئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے اپنے خواب سنائے۔ ایک نے بتایا:

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ انگور نچوڑ رہا ہوں۔"

دوسرے نے کہا:

"میں نے دیکھا کہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اسے کھا رہے ہیں۔"

حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر میں فرمایا کہ انگور نچوڑنے والا بری ہو جائے گا اور اسے پھر ساقی گری سونپ دی جائے گی۔ اور دوسرا سولی پر چڑھایا جائے گا اور اس کا گوشت مردار جانور کھائیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بیان کردہ چوتھا خواب بادشاہ مصر ''ملک الریان'' کا ہے۔ بادشاہ نے تمام درباریوں کو جمع کر کے کہا:

''میں نے خواب دیکھا ہے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں انہیں سات دبلی گائیں نگل رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات دوسری سوکھی۔''

بادشاہ کے دربار میں ماہرین خواب نے اس خواب کو بادشاہ کی پریشان خیالی کا مظہر قرار دیا۔ اس خواب سے بادشاہ مصر ''فرعون'' ہر وقت پریشان رہنے لگا۔ بادشاہ کو پریشان دیکھ کر ساقی کو اپنا خواب اور اس کی تعبیر یاد آگئی۔ اس نے جیل میں قید حضرت یوسف علیہ السلام کے علم و حکمت سے بادشاہ کو آگاہ کیا۔ بادشاہ نے ساقی کو خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ سات برس تک تم لگاتار کھیتی کرتے رہو گے۔ ان سات برسوں میں غلے کی فراوانی خوب ہو گی اور اس کے بعد سات برس بہت سخت مصیبت کے آئیں گے اور سخت قحط پڑ جائے گا۔ ایک دانہ بھی باہر سے نہیں آئے گا۔ ان سات سالوں میں وہی غلہ کام آئے گا جو پہلے سات سالوں میں ذخیرہ رکھا گیا ہو گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس پورے قصے میں اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ خواب مستقبل کی نشاندہی کا ذریعہ ہیں۔ خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی بیان کردہ تعبیر کے مطابق چودہ سال کا مستقبل سامنے آگیا۔ غور و فکر کے بعد دوسری بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ عام آدمی بھی مستقبل کے آئینہ دار خواب دیکھتا ہے۔ یہ بالکل الگ بات ہے کہ علم تعبیر خواب پیغمبروں کا معجزہ ہے۔

''اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو اس ملک میں سلطنت عطا فرمائی اور اس کو خواب کی تعبیر کا علم سکھایا۔''

خواب میں پوشیدہ حکمت اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بیان کردہ تعبیر سے بادشاہ مصر بے حد متاثر ہوا۔ اس نے ایسے صاحب علم آدمی کو رہا کر کے دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے رہا ہونے سے انکار کر دیا اور مطالبہ کیا کہ اس الزام کی تحقیق کی جائے جس کے تحت وہ قید کئے گئے تھے۔ بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ قیدی صاحب حکمت اور بزرگ ہے اور یہ صاحب علم برگزیدہ شخص یقیناً بے گناہ ہے ورنہ الزام کی تحقیق کا مطالبہ نہ کرتا اور بخوشی جیل سے باہر آ جاتا۔ شاہ مصر نے تحقیقات کا حکم دیا اور نتیجہ میں حضرت یوسف علیہ السلام بے قصور ثابت ہوئے۔

خواب کی تعبیر معلوم ہونے کے بعد بادشاہ نے دربار میں موجود ماہرین کو اس صورت حال سے نبٹنے کی ہدایت کی۔ یہ خواب جس طرح انوکھا تھا اسی طرح تعبیر بھی عجیب تھی اور سارے دربار میں ایک بھی فرد ایسا نہ تھا جو اس کام سے عہدہ برآ ہو سکتا۔ تب حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قحط سالی سے بچنے کی تدابیر بھی بتادیں۔ بادشاہ ان کے علم و حکمت اور بزرگی کا پہلے ہی معترف تھا۔ اب اس کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی عزت و عظمت گھر کر گئی۔ اس نے ان تدابیر کو نہ صرف قبول کر لیا بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان پر عمل کرنے کا اختیار بھی دے دیا اور کہا:

آج سے تو میرا نائب ہے۔

آج سے تیرا حکم میری رعایا پر چلے گا۔

آج سے میں نے تجھے ساری سلطنت کا مختار بنایا۔

آج سے تو اپنی مرضی کا مالک ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے سلطنت مصر کی باگ ڈور سنبال لی اور چودہ سال کی غذائی پلاننگ کر دی۔ زرعی زمینوں کے قریب غلہ ذخیرہ کرنے کے لئے گودام تیار کرائے گئے۔ یہ گودام اہرام مصر کے طرز پر بنائے گئے تھے۔ جن کے اندر رکھی ہوئی اشیاء پر موسی اثرات اثر انداز نہیں ہوتے۔ سات سال بارشیں خوب ہوئیں اور بہترین فصل حاصل ہوئی۔ پھر کھیتیاں سوکھنے لگیں۔ جوہڑوں اور تالابوں میں جمع شدہ پانی ختم ہو گیا۔ لوگوں کے پاس جمع شدہ غذائی اجناس کی قلت ہو گئی۔ مصر کی ساری زمین سوکھ گئی اور قرب وجوار میں شدید قحط پڑا۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے حسنِ انتظام کی بدولت غلہ وافر مقدار میں موجود رہا۔

کنعان کے باشندے مصر آکر سرکاری گوداموں سے غلہ لے کر گئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو مصر سے غلہ لانے کے لئے بھیجا۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان گوداموں کی دیکھ بھال کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً تقسیم اجناس کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ ایک بار جائزہ لینے پہنچے تو ایک جیسے لباس اور ایک جیسی شکل و صورت کے حامل دس کنعانیوں کو قطار میں انتظار کرتے دیکھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا۔۔۔۔۔ استفسار پر انہوں نے بتایا کہ ہم سب آپس میں بھائی ہیں اور کنعان سے آئے ہیں۔ ہم دس بھائیوں کے علاوہ ایک اور بھائی اور باپ کنعان میں ہیں۔ گیارہواں بھائی غلہ لینے اس لئے نہ آسکا کہ ہمارے والد آنکھوں سے معذور ہیں۔ باپ کی معذوری کی وجہ یہ بتائی کہ ہمارے ایک اور بھائی یوسف کو بچپن میں بھیڑیا اٹھا کر لے گیا تھا۔ باپ کو اس سے بے انتہا محبت تھی وہ اس کے غم میں روتے روتے بینائی سے محروم ہو گئے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ سن کر صدمہ پہنچا کہ ان کے باپ ان کی جدائی کے غم میں بینائی کھو چکے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے چھوٹے بھائی کی فکر بھی لاحق ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائیوں سے کہا۔ ''تم لوگ کنعان سے آئے ہو ممکن ہے تمہیں یہاں کے قانون کا علم نہ ہو، غلہ صرف انہی لوگوں کو دیا جاتا ہے جو یہاں موجود ہوتے ہیں۔ اس بار تم کو معذور باپ اور بھائی کے حصے کا غلہ دے دیا جاتا ہے۔ لیکن آئندہ جب غلہ لینے آؤ تو اپنے باپ اور بھائی کو بھی ساتھ لے کر آنا۔'' بھائیوں نے کہا کہ ہمارے والد تو بیٹے کے غم میں گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ آنکھوں سے بھی معذور ہیں۔ ان کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ چھوٹا بائی باپ کی خدمت میں لگا رہتا ہے اور وہ بھی اسے خود سے دور کرنا گوارا نہیں کرتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے باپ کی معذوری کا عذر قبول کر لیا لیکن بھائی کے نہ آنے کی وجہ کو قبول نہ کیا اور کہا کہ تمہارے بھائی کو اپنے حصے کا غلہ لینے یہاں آنا پڑے گا اگر وہ نہیں آیا تو تم کو بھی غلہ نہیں دیا جائے گا۔

مصر سے واپسی پر تمام بھائی اپنے نابینا باپ کے پاس پہنچے اور انہیں والئ مصر کے حکم سے آگاہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی بات سن کر کہا:

''کیا تم پر اس طرح اعتماد کروں جس طرح اس کے بھائی یوسف کے معاملے میں کر چکا ہوں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل کا سکون ''بن یامین'' تھا۔ آنکھوں کی روشنی سے محروم ہونے کے بعد بن یامین ہی باپ کی ضرورت کا خیال رکھتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائی باپ کا جواب سن کر شرمندہ ہوئے اور بڑے بھائی نے نہایت عاجزی سے کہا۔ ''آپ کو ہم پر اعتماد نہیں رہا لیکن ہم مجبور ہیں اگر آپ نے بن یامین کو ہمارے ساتھ ہیں بھیجا تو کسی کو بھی غلہ نہیں ملے گا۔'' حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے اس بات کا وعدہ لیا کہ وہ بن یامین کو صحیح سلامت باپ کے پاس لے آئیں گے۔

دوسری مرتبہ برادران یوسف کا قافلہ جب مصر کو روانہ ہونے لگا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو نصیحت کی کہ دیکھو ایک ساتھ جتھا بنا کر شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے ایک ایک دو دو داخل ہونا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹوں کو یہ نصیحت اس وجہ سے تھی کہ جب وہ پہلی بار مصر داخل ہوئے تھے تو جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے تھے اور بعد ازاں الزام ثابت نہ ہونے پر رہا ہوئے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ ان کے بھائی جو غلہ لے گئے ہیں وہ زیادہ دن نہیں چلے گا۔ انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اتنی مدت کے بعد بھائیوں کو دوبارہ غلہ لینے کے لئے آنا چاہئے۔ بھائی کے انتظار میں وہ شہر کے باہر چکر بھی لگایا کرتے تھے۔ بالآخر

برادران یوسف پہنچ گئے اور باپ کی نصیحت کے مطابق الگ الگ دروازوں سے داخل ہوئے اور پھر ایک جگہ جمع ہو گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہی شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرایا اور اپنے سگے بھائی بن یامین کو تنہائی میں طلب کر کے اسے حقیقت حال سے آگاہ کر دیا۔ باپ کی خیر خبر معلوم کی، اپنی ساری روئداد سنائی۔ باپ سے جدائی سے لے کر اب تک کا سارا قصہ بھائی کو سنایا اور تاکید کی کہ دوسرے بھائیوں پر اس راز کو آشکار نہ کیا جائے کہ میں ہی ان کا وہ بھائی ہوں جس کو اپنی دانست میں وہ ختم کر چکے ہیں۔

اب کی بار حضرت یوسف علیہ السلام نے تمام بھائیوں کو پہلے سے زیادہ غلہ دیا اور اپنے بھائی بن یامین کو اپنے پاس رکھنے کی یہ ترکیب کی کہ غلہ ناپنے کا شاہی پیالہ اس کے سامان میں رکھ دیا۔

کنعانی جوانوں کا یہ قافلہ ابھی روانہ ہی ہوا تھا کہ چاندی سے بنے شاہی پیمانے کی تلاش شروع ہو گئی۔ جب پیمانہ نہ ملا تو قافلہ والوں پر چوری کا شبہ ظاہر کیا گیا کیونکہ صرف اس قافلہ کو تقسیم کیا گیا تھا۔ قافلہ رکوایا گیا۔ برادران یوسف نے اس پر احتجاج کیا کہ چوری کا الزام بے بنیاد ہے۔ بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ قافلہ والے واپس چل کر تلاشی دیں گے اگر الزام ثابت نہ ہوا تو انہیں اس غلط شبہ کے نتیجے میں پہنچنے والی تکلیف کے بدلے میں مزید غلہ دیا جائے گا اور اگر الزام ثابت ہوا تو مجرم کو قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔۔۔۔۔اور قانون میں اس کی سزا یہ تھی کہ مجرم کو اس شخص کے حوالہ کر دیتے تھے جس کی چیز چوری ہوتی تھی۔

شاہی دروغہ نے تمام بھائیوں کے سامان کی تلاشی لینا شروع کر دی آخیر میں سب سے چھوٹے بھائی بن یامین کی خورجی میں سے شاہی پیمانہ برآمد ہو گیا۔ یہ دیکھ کر تمام بھائی پریشان ہو گئے۔

شاہی پہرہ دار بن یامین کو گرفتار کر کے لے جانے لگے تو ان سب کو باپ سے کیا ہوا وعدہ آیا انہوں نے دروغہ کی منت سماجت شروع کر دی کہ بن یامین کو چھوڑ دیا جائے اور اس کی جگہ جس بھائی کو چاہیں وہ گرفتار کر لیں۔ معاملہ حضرت یوسف علیہ السلام والئ مصر کے سامنے پیش ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس امر سے معذوری ظاہر کی اور کہا۔ ''اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہو گا کہ اصلی مجرم کو چھوڑ کر کسی اور کو پکڑ لیا جائے۔''

ناکام و نامراد برادران یوسف وطن واپس ہوئے۔ لیکن اس سفر میں ان کا بڑا بھائی ان کے ساتھ نہیں گیا کیونکہ اس نے خاص طور پر بن یامین کی بحفاظت واپسی کا ذمہ اپنے سر لیا تھا اور بارِ ندامت سے باپ کا سامنا کرنے کی ہمت اس کے اندر موجود نہ تھی۔ وہ شہر مصر کے باہر ہی رہ گیا۔

باقی بھائیوں نے کنعان پہنچ کر اپنے باپ کو صورتحال سے آگاہ کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرط غم سے ایک آہ کھینچی اور غمزدہ آواز سے بولے۔ ”میں جانتا ہوں کہ بات یہ نہیں ہے کہ تم جو کچھ کہتے ہو مان لیتا ہوں۔ اب سوائے صبر کے اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے جو غلہ لائے تھے، ختم ہو گیا۔۔۔۔۔ وہ پھر مصر جانے کے بارے میں سوچنے لگے لیکن بن یامین کی حرکت سے جو شرمندگی انہیں ہوئی تھی اس کی وجہ سے دوبارہ جاتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں تسلی دی اور مصر جانے پر آمادہ کیا تاکہ غلہ کے حصول کے ساتھ ساتھ بن یامین کی قید سے رہائی کے بارے میں والئ مصر سے معافی کی التجا کی جا سکے۔

باپ کی ہمت دلانے پر بیٹے دربار شاہی میں حاضر ہوئے اور کہا ”ہم کو قحط سالی نے پریشان کر دیا ہے۔ اب معاملہ خرید و فروخت کا نہیں ہے، ذرائع آمدنی ختم ہو گئے ہیں۔ ہم غلہ پوری قیمت ادا نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے حاضر ہے اگر تو ہمیں غلہ نہیں دے گا تو ہمارے گھروں میں فاقے شروع ہو جائیں گے۔“

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ سنا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور آبدیدہ ہو کر کہا۔ ”نہیں نہیں میں تمہیں اور اپنے باپ کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتا۔“

برادران یوسف اس بات پر کہ عزیز مصر ہمارے باپ کو اپنا باپ کہہ رہا ہے، حیرت زدہ ہو رہے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مزید کہا:

”تم لوگوں نے یوسف اور اس کے بھائی بن یامین کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟“

یہ جملہ سن کر ان پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عزیز مصر کو یوسف اور بن یامین سے کیا واسطہ ہے۔

”میرے بھائیو! میں ہی تمہارا بھائی یوسف ہوں جسے تم نے حسد کی بناء پر کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس انکشاف سے ان کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔ خوف، شرمساری اور ندامت کے احساس سے ان کی گردنیں جھک گئیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پیغمبرانہ طرز فکر سے درگزر سے کام لیا۔ فرمایا:

"میں تمہارا بھائی ہوں۔ ہم ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ میں آج بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔۔۔۔۔۔ تم سے کوئی سرزنش نہیں، کوئی شکوہ نہیں، کوئی شکایت نہیں۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ تہ تمہارے گناہ بخش دے کیونکہ وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔"

فرعون مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی آمد کا پتہ چلا اور یہ کہ ان کے والد اللہ کے برگزیدہ بندے حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان میں اسرائیل کے نام سے پکارے جاتے تھے اور آپ سے کئی معجزے منسوب تھے۔ جن سے فرعون بھی واقف تھا۔ فرعون کو جب یہ پتہ چلا کہ یوسف علیہ السلام اس برگزیدہ ہستی کے بیٹے ہیں تو اس نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کے پورے خاندان سمیت مصر میں آباد ہونے کی دعوت دی اور سہولت کے لئے فوج کا ایک دستہ برادران یوسف علیہ السلام کے ہمراہ کنعان بھیجا۔ جس میں مال برداری کے جانور بھی شامل تھے۔

قافلے کی کنعان روانگی سے قبل حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا پیراہن بھائیوں کو دیتے ہوئے کہا کہ اسے میرے محترم۔ خداو مقدس باپ کی آنکھوں سے لگانا۔ خداوند قدوس اپنا فضل کرے گا۔

قافلہ ابھی کنعان میں داخل نہیں ہوا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اہل خاندان سے کہا کہ مجھے اپنے گمشدہ بیٹے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ اہل خاندان نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس بات کو پیرانہ سالی کی وجہ سے ضعف دماغ پر محمول کیا اور کہا کہ برسوں کا گمشدہ بیٹا جس کو بھیڑیا لے گیا تھا۔ بھلا اس کی خوشبو کیسے آنے لگی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:

"تم لوگ وہ بات نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔"

شاہی دستہ کے ہمراہ قافلہ شہر میں جب داخل ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے گھر کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے سر جھکائے ان کے پاس پہنچے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خوشی اور بے قراری سے کہا۔

"تم سب آ گئے۔۔۔۔۔۔ مجھے یوسف کی مہک محسوس ہو رہی ہے۔"

"یوسف ہمارے ساتھ نہیں آیا ہے۔" ایک بھائی نے جھکے ہوئے سر کے ساتھ جواب دیا اور پیراہن نکال کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یوسف نے یہ بھیجا ہے۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام نے پیراہن ہاتھ میں لیا اور یہ کہتے ہوئے چومنا اور آنکھوں سے لگانا شروع کر دیا۔ ''میرا یوسف زندہ ہے۔ میں نہ کہتا تھا کہ میرا یوسف زندہ ہے، مجھے اس کی مہک آ رہی ہے۔''

پیراہن آنکھوں سے مس ہو رہا تھا اور رفتہ رفتہ بینائی لوٹ رہی تھی۔

بھائیوں نے اول تا آخر سارا قصہ کہہ سنایا۔۔۔۔۔

حضرت یعقوب علیہ السلام تمام خاندان والوں کے ہمراہ جن کی تعداد ستر بتائی جاتی ہے، مصر روانہ ہو گئے۔ توریت کی تصریح کے مطابق والد سے بچھڑتے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر 17 سال تھی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نوے سال کے تھے۔ جس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام مصر تشریف لائے اس وقت ان کی عمر 130 سال تھی گویا باپ بیٹا چالیس سال ایک دوسرے سے جدا رہے۔

اس دوران فوطیفار کا انتقال ہو گیا اور اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کو دوبارہ جوانی عطا کی اور دونوں کی شادی ہو گئی۔ قرآن حکیم نے احسن القصص کو بیان کرتے ہوئے ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ عام طور پر خواب کو حافظے میں جمع خیالات اور بے معنی تصورات کہا جاتا ہے لیکن کواب کے تجربات اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ خواب محض خیالات کا عکس ہیں۔

رویاء ایسی ایجنسی ہے جس کی معرفت انسان کو غیب کا کشف حاصل ہوتا ہے اور رویاء کی صلاحیت انسان کو مادی سطح سے ماوراء باتوں کی اطلاع فراہم کرتی ہے۔

انسان کی روح یا انا ہمہ وقت حرکت میں رہتی ہے۔ جس طرح بیداری کا پورا وقفہ کسی نہ کسی حرکت سے عبارت ہے، اسی طرح خواب بھی حرکت ہے۔ انسان بیداری میں اپنی جسمانی حرکات سے واقف رہتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے شعور کی دلچسپی بیداری سے قائم رہتی ہے۔

جب ہم بیدار ہوتے ہیں تو حواس بیرونی ماحول سے رشتہ قائم کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ہمہ وقت کوئی نہ کوئی مہیج اعصاب کو حرکت دیتا رہتا ہے۔ اور اس اشارے پر ہمارا جسم متحرک رہتا ہے۔ جب ہم سو جاتے ہیں تو جسمانی حرکات پر سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ لیکن انا یا نفس کا فعال کردار ختم نہیں ہوتا۔ خواب میں اگرچہ فرد کا جسم معطل ہوتا ہے لیکن وہ تمام حرکات و سکنات کو اپنے سامنے اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح بیداری میں دیکھتا ہے۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ وقت اور فاصلے کی تمام رائج بندشیں ختم ہو جاتی ہیں اور کیفیات ایک نقطے میں سمٹ آتی ہیں۔

خواب میں خاکی حواس مغلوب ہوتے ہیں۔ لیکن روح جن واردات و حوادث سے گزرتی ہے انہیں ہمارا ذہن اس حد تک سمجھتا ہے جس حد تک اس کی دلچسپی ان سے وابستہ رہتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہم خواب کے ان حصوں کو بیان کر سکتے ہیں جن پر دلچسپی کی بناء پر ہماری توجہ مرکوز ہو جاتی ہے اور جن واقعات پر ہماری توجہ نہیں ہوتی ان واقعات کی کڑیاں ملانے سے ہمارا شعور عاجز رہتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شعور روح کی واردات کو مربوط حالت میں دیکھ لیتا ہے۔اور روح کی حرکت شعور میں اس طرح سما جاتی ہے کہ اس میں معانی پہنانا ذرا بھی مشکل نہیں ہوتا۔اس کو سچا خواب کہتے ہیں اور یہی حالت اب ترقی کرتی ہے تو کشف والہام کے درجے میں پہنچ جاتی ہے۔

نفس کی ایک صلاحیت جو بیداری اور خواب دونوں میں متحرک رہتی ہے۔ قوت حافظہ ہے۔انسان زندگی کے ہر قدم پر اس قوت سے کام لیتا ہے۔ لیکن اس پر غور نہیں کرتا کہ بچپن کے زمانے کا تصور کیا جائے تو ایک لمحہ میں ذہن بچپن کے واقعات کا احاطہ کر لیتا ہے۔اگرچہ ہم سالوں کا وقفہ گزار چکے ہیں اور ہزار ہا تبدیلیوں سے گزر چکے ہیں لیکن ذہن جب ماضی کی طرف سفر کرتا ہے تو سالوں پر محیط عرصہ کو سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں طے کر کے بچپن کے زمانے میں جا پہنچتا ہے۔ہم ماضی کے واقعات کو نہ صرف محسوس کر لیتے ہیں بلکہ یہ واقعات اس طرح نظر آتے ہیں جیسے آدمی کوئی فلم دیکھ رہا ہے۔

کبھی کبھی احساسات کا فرق عام حالات میں بھی اتنا گہرا ہو جاتا ہے کہ شعور اس کا ادراک کر لیتا ہے۔اگر کسی کام میں بہت زیادہ یکسوئی ہو جائے اور شعوری واردات ایک مرکز پر ٹھہر جائے تو یہ بات تجرباتی مشاہدہ بن جاتی ہے۔

روحانی علم کی ابتداء اس بنیادی سبق سے ہوتی ہے کہ انسان محض گوشت پوست کے جسم کا نام نہیں ہے۔ جسم کے ساتھ ایک اور ایجنسی وابستہ ہے جس کا نام روح ہے اور جو اس جسم کی اصل ہے۔انسان کی روح جسم کے بغیر حرکت کرتی ہے اور انسان کو اگر ملکہ حاصل ہو جائے تو وہ جسم کے بغیر بھی روحانی سفر کر سکتا ہے۔

اگر خواب اور بیداری کے حوالے سے مراقبہ کی تعریف کی جائے تو یہ کہا جائے گا کہ مراقبہ بیدار رہتے ہوئے خواب کی دنیا میں سفر کرنے کا نام ہے۔ بالالفاظ دیگر مراقبہ اس عمل کا نام ہے جس میں آدمی کو اب کی کیفیت کو اپنے اوپر طاری کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

لیکن اس کا شعور بیدار رہتا ہے۔ مراقبہ میں وہ تمام حالات پیدا کر دیئے جاتے ہیں جن سے کوئی شخص حواس کی تبدیلی کے وقت گزرتا ہے۔آنکھیں بند کر کے سانس کی رفتار آہستہ کر لی جاتی ہے۔اعضائے جسمانی کو ڈھیلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔تاکہ جسم غیر محسوس ہو جائے۔ذہنی طور پر انسان تمام افکار و خیالات سے ذہن ہٹا کر ایک تصور کی طرف متوجہ رہتا ہے۔اگر مراقبہ کرنے والے کسی شخص کو دیکھا جائے تو بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک آدمی آنکھیں بند کئے سو رہا ہے۔لیکن فی الحقیقت اس کا شعور اس طرح معطل

نہیں ہوتا جیسا کہ خواب میں ہوتا ہے۔ چنانچہ مراقبہ میں آدمی بیدار رہتے ہوئے اس کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے جو خواب دیکھتے ہوئے طاری ہوتی ہے۔ جوں ہی شعوری حواس پر سکوت طاری ہوتی ہے بیداری کے حواس پر خواب کے حواس کا غلاف چڑھ جاتا ہے۔ اس حالت میں آدمی اپنے ارادے سے ان تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو استعمال کر سکتا ہے۔ جو خواب میں کام کرتی ہیں۔

ماضی، مستقبل، دوری، نزدیکی، بے معنی ہو جاتی ہے۔ آدمی خاکی جسم کی تمام قیود سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ صلاحیت ترقی کر کے ایک ایسے درجے میں پہنچ جاتی ہے کہ خواب اور بیداری کے حواس Parrallel ہو جاتے ہیں۔ اور انسانی شعور جس طرح بیداری کے معاملات سے واقف ہے اسی طرح خواب کی حرکات سے بھی مطلع رہتا ہے۔ چنانچہ وہ خواب کے حواس میں اپنی روح سے حسب ارادہ کام لے سکتا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام

ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک چھیاسی برس (86) ہو چکی تھی لیکن اولاد کی نعمت تاحال انہیں عطا نہ ہوئی تھی۔

انہوں نے رب العزت کی بارگاہ میں استدعا کی:

''اے رب! مجھے نیک صالح لڑکا عطا کر۔''

یہ دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوئی اور آپ کی دوسری بیوی حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری سنائی گئی۔ توریت میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''اور ابرام سے ہاجرہ کے ایک بیٹا ہوا اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ سے پیدا ہوا تھا اسماعیل رکھا اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا۔''

(باب پیدائش)

عبرانی میں ''اسماعیل'' کا تلفظ ''شماع ایل'' ہے شماع کے معنی ہیں ''سن اور ایل ''اللہ'' کے مترادف ہے۔ چونکہ اولاد کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سن لی گئی تھی اس لئے آپ کا نام اسماعیل علیہ السلام رکھا گیا۔

حضرت سارہؓ جب ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی تھیں۔ اس لئے حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ان پر بہت شاق گزاری اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت اصرار کیا کہ حضرت ہاجرہؓ اور ان کے بیٹے کو یہاں سے دور کر دو تاکہ یہ لوگ میری نگاہ کے سامنے نہ رہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بات بہت ناگوار گزری مگر بارگاہ الٰہی سے جب حکم ہوا کہ بی بی ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عرب کے ریگستان میں چھوڑ دیا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس جگہ لے آئے جہاں اب کعبہ ہے۔ اس زمانے میں یہ جگہ بالکل غیر آباد تھی۔ ایک تھیلی کھجور اور ایک مشکیزہ پانی کے ہمراہ انہیں وہاں چھوڑ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام جب جانے لگے تو بی بی ہاجرہؓ نے انہیں روک کر پوچھا کہ ہمیں اس بیابان میں چھوڑ کر کہاں چل دیئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خاموشی پر حضرت بی بی ہاجرہؓ نے استفسار کیا کہ

کیا یہ میرے رب کے حکم سے ہے ؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا۔ تب بی بی ہاجرہؓ نے انہیں جانے دیا اور فرمایا کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے جب ایسی جگہ پہنچے کہ دونوں ماں بیٹا نگاہوں سے او جھل ہو گئے تو ہاتھ بلند کئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا:

"اے میرے رب! میں نے بسائی ہے ایک اولاد اپنی میدان میں، جہاں کھیتی نہیں، تیرے ادب والے گھر کے پاس، اے رب ہمارے تا قائم رکھیں ربط، سو رکھ بعض لوگوں کے دل جھکتے ان کی طرف اور روزی دے ان کو میوؤں سے تاکہ یہ شکر کریں۔"

(ابراہیم)

حضرت ہاجرہؓ چند روز تک مشکیزہ سے پانی پیتی رہیں اور کھجوروں پر گزارہ کرتی رہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں۔ جب پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں تب وہ پریشان ہوئیں چونکہ خود بھوکی تھیں اس لئے دودھ بھی نہ اترتا تھا اور بچے نے بھوک پیاس سے رونا شروع کر دیا تھا۔ بچے کی بے چینی دیکھ کر بی بی ہاجرہؓ نے پانی کی تلاش شروع کر دی۔ قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آ جائے یا پانی مل جائے مگر کچھ نظر نہ آیا پھر واپس وادی میں آ گئیں۔ پھر دوسری جانب کی پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں اس طرح آپ نے سات چکر لگائے۔ ماں تا کا یہ جذبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس قدر مقبول ہوا کہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آنے والے ہر فرد پر یہ لازم قرار دے دیا گیا ہے کہ وہ حضرت ہاجرہؓ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے صفا اور مروہ کے درمیان "سعی" کرے۔

تلاش و جستجو پر مشتمل اس عمل کی قبولیت کا ایک اشارہ یہ بھی تھا کہ ساتویں چکر میں بی بی ہاجرہؓ بچے کے پاس جب واپس آئیں تو دیکھا کہ جس جگہ حضرت اسماعیل علیہ السلام روتے ہوئے ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں سے ایک چشمہ جاری ہو گیا ہے۔ یہ چشمہ آج بھی موجود ہے۔ لوگ اس چشمہ کو "آب زم زم" کے نام سے جانتے ہیں اور ہزاروں سال گزرنے کے باوجود چشمہ کا پانی اسی طرح جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں مخلوق کے لئے شفاء رکھی ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے رب العزت کا شکر ادا کرتے ہوئے بچے کو پانی پلایا اور اپنی پیاس بجھائی۔ اس وقت اللہ کا ایک فرستادہ فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے کہا خوف اور غم نہ کر اللہ تعالیٰ تجھ کو اور بچے کو ضائع نہ کرے گا۔ یہ مقام "بیت اللہ" ہے۔ جس کی تعمیر اس بچے اور اس کے باپ نے کرنی ہے۔

کچھ عرصہ بعد بنی جرہم نامی ایک قبیلہ پانی کی فراوانی دیکھ کر حضرت ہاجرہؓ کی اجازت سے یہاں آباد ہو گیا۔ بچپن کا ابتدائی دور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسی قبیلہ کے افراد کی صحبت میں گزارا۔

بہت سے احکامات ایسے ہیں جن کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذات سے براہ راست وابستہ ہے یا ان پر عمل در آمد کا حکم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دور میں نازل ہوا اور ان اعمال کی اقتداء آج بھی جاری ہے۔ انہی احکامات میں سے ایک حکم ''ختنہ'' کا ہے۔

کتاب مقدس کے باب پیدائش میں اس بات کا تذکرہ موجود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب ننانوے سال ہوئی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تیرہ سال کے تھے تو ختنہ کا حکم نازل ہوا۔ اس حکم پر عمل در آمد آج بھی ملت ابراہیمی کا شعار ہے۔ الہامی کتابوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذات مبارک سے جاری ہونے والی ایک اور سنت کا تذکرہ بھی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن سے تعلق رکھنے والے اس واقعہ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے والد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مسلسل تین راتوں تک ایک ہی خواب دیکھا کہ وہ اپنے لخت جگر کو اللہ کی راہ میں قربان کر رہے ہیں۔

انہوں نے عالم رویاء میں ملنے والے اس حکم الٰہی کی تعمیل کا ارادہ فرمایا اور بیٹے سے پوچھا:

''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں بتا تیری رائے کیا ہے؟۔۔۔۔۔''

فرماں بردار بیٹے عرض کیا کہ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے اور پیغمبر ہیں۔ آپ اللہ کے حکم کی تعمیل بجا لائیں، انشاء اللہ مجھے آپ صابر اور شاکر بندوں میں سے پائیں گے۔

مشیت الٰہی کے تحت اللہ کے یہ دونوں برگزیدہ بندے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ روایت ہے کہ ابلیس نے ان کے ارادہ کو متزلزل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پہلے وہ حضرت ہاجرہؓ کے پاس آیا اور انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارادہ سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وہ حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے لے جا رہے ہیں۔ بی بی ہاجرہؓ نے فرمایا کہ اسماعیلؑ ہماری اکلوتی اولاد ہے اور بہت دعاؤں کے بعد یہ نعمت اللہ نے ہمیں عطا کی ہے، اسماعیلؑ کا باپ ایسا نہیں کر سکتا کہ بلاوجہ اسے جان سے مار دے۔ ابلیس نے وار کارگر ہوتا دیکھ کر کہا، تمہارے اللہ نے ابراہیمؑ کو یہی حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔ یہ سن کر بی بی ہاجرہؓ نے کہا کہ اگر یہ میرے خالق کا حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔ یہ سن کر بی بی ہاجرہؓ نے کہا کہ اگر یہ میرے خالق کا حکم ہے تو میں اس کی رضا پر راضی ہوں۔

حضرت ہاجرہؓ کو بہکانے میں ابلیس جب ناکام ہوا تو حضرت ابراہیمؑ کے پاس آیا اور ان کے اندر موجود پدرانہ شفقت کے جذبات کو مہمیز کرنے کے لئے بولا کہ آپ عمر رسیدہ ہیں اور اسماعیلؑ آپ کی اکلوتی اولاد ہے۔ اگر آپ نے اپنے بیٹے کو مار ڈالا تو آپ کی نسل نہیں بڑھے گی۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں فرمایا ''اسماعیلؑ سے میرا تعلق اللہ کی معرفت قائم ہے۔ اس سے میرا واسطہ اور تعلق

صرف اس بناء پر ہے کہ اللہ نے اس کی پیدائش کے لئے میرا گھر منتخب فرمایا ہے۔ یہ بیٹا میرے پاس اللہ کی امانت ہے۔ اللہ ہم سب کا مالک اور مختار کل ہے۔ وہ جب چاہے اور جیسے چاہے حکم دے ہم سب اس کے تابع فرمان ہیں۔"

حضرت ابراہیمؑ کے جواب سے ابلیس کو سخت مایوسی ہوئی لیکن اس نے حکم الٰہی کی تعمیل سے انہیں باز رکھنے کی کوشش جاری رکھی۔ اسے ایک اور ترکیب سوجھی کہ حضرت اسماعیلؑ کی کم عمری کا فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے باپ سے متنفر کر دے لیکن حضرت اسماعیلؑ نے اس کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ حضرت اسماعیلؑ نے فرمایا۔ "میں اس بات پر بخوشی راضی ہوں جو میرے اللہ کا حکم ہے، میرے والد اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ملائکہ مقربین کے سردار جبرائیل ان کے پاس وحی لے کر آتے ہیں، ان کا ہر عمل اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ مجھے قربان کر دینے کا حکم انہیں اللہ کریم نے براہ راست خواب میں دیا ہے اور انبیاء کے خواب سوچے ہوتے ہیں۔"

کہا جاتا ہے کہ قربان گاہ کی طرف جاتے ہوئے ابلیس نے تین بار ان کے ارادہ میں خلل انداز ہونے کی کوشش کی اور ہر بار حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے اس پر سنگ باری کی اور اس کو اپنی راہ میں حائل ہونے نہ دیا۔ یہی وہ سنت ہے جس کو حجاج کرام ہر سال حج کے موقع پر دہراتے ہیں اور یہ سنت "رمی" کہلاتی ہے۔

دونوں باپ بیٹے جب اس مقام پر پہنچے جو موجودہ زمانے میں "منٰی" کہلاتا ہے تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو پیشانی کے بل زمین پر لٹا دیا اور گلے پر چھری پھیر دی۔

"اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم تو نے سچ کر دکھایا خواب، ہم یوں دیتے ہیں بدلا نیکی کرنے والوں کو۔ بے شک یہی ہے صریح جانچنا اور اس کا بدلا دیا ہم نے ایک جانور ذبح کو بڑا۔"

(الصٰفٰت)

حضرت ابراہیمؑ کی تابعداری اور حضرت اسماعیلؑ کی فرمانبرداری بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح ہونے سے بچا لیا۔ ان کی جگہ جس جانور کی قربانی دی گئی اس سے متعلق روایت یہ ہے کہ وہ جنت سے لایا گیا ایک مینڈھا تھا۔ یہی وہ عظیم قربانی ہے جس کو تا قیامت امت مسلمہ کے لئے عملی نمونہ بنا دیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کو اللہ کریم کی جانب سے جب حکم ملا کہ وحدانیت کے پرچار کے لئے اور مرکزیت کے تعین کے لئے اللہ کے گھر کی تعمیر کریں تو اس تعمیر میں حضرت اسماعیلؑ اپنے والد کے ساتھ شریک تھے۔ کعبہ کی تعمیر کے وقت باپ بیٹے نے اللہ کریم کی بارگاہ

میں خوب دعائیں کیں۔ان میں وہ دعا بھی شامل ہے جس سے متعلق سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔

''اے رب ہمارے! اور اٹھا ان میں ایک رسول انہی میں سے، پڑھے ان پر تیری آیتیں اور۔ سکھا دے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور ان کو سنوارے اور تو ہی ہے اصل زبردست حکمت والا۔''

(بقرۃ)

قرآن پاک نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی مناجات، اقامت الصلوٰۃ اور مناسک حج ادا کرنے کے لئے شوق اور تمنا کے اظہار کا اور بیت اللہ کو توحید کا مرکز قرار دینے کا جگہ جگہ ذکر کیا ہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ دو پیغمبروں نے مل کر اس کی تعمیر کی۔ باپ راج کی حیثیت سے اور بیٹا مزدور کی حیثیت سے تعمیر میں مصروف رہے اور جب اس کی دیواریں اتنی اوپر اٹھ گئیں کہ مزید تعمیر کے لئے پاڑھ کے ضرورت محسوس ہوئی تو قدرت کی ہدایت کے مطابق ایک پتھر کو پاڑھ بنایا گیا جس کو حضرت اسماعیلؑ اپنے ہاتھ سے سہارا دیتے تھے اور حضرت ابراہیمؑ اس پر چڑھ کر تعمیر کرتے تھے۔یہی وہ یادگار پتھر ہے جو آج ''مقام ابراہیم'' کے نام سے موسوم ہے۔ جب بیت اللہ کی تعمیر مکمل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بتایا کہ یہ ملت ابراہیمی کے لئے قبلہ اور اللہ کے سامنے جھکنے کا نشان ہے، اس لئے اس گھر کو توحید کا مرکز قرار دیا جاتا ہے۔ تب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی ذریت کو اقامت صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ کی ہدایت اور استقامت بخشے۔ ان کے لئے پھلوں، میوؤں اور رزق میں برکت عطا فرمائے اور تمام دنیا کے بسنے والوں میں سے ہدایت یافتہ گروہ کو اس طرف متوجہ کرے کہ وہ دور دور سے آئیں اور مناسک حج ادا کریں اور رشد و ہدایت کے اس مرکز میں جمع ہو کر سعادتوں سے اپنا دامن بھریں۔

حضرت اسماعیلؑ خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ آپ کو عرب و حجاز، یمن اور حضرموت کے لئے مبعوث کیا گیا تھا۔آپ نے اپنے والد ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کی دی ہوئی تعلیمات کا پرچار جاری رکھا۔

حضرت اسماعیلؑ کی مادری زبان قبطی اور پدری زبان عبرانی تھی۔ اس کے علاوہ آپ عربی زبان پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے۔ دین ابراہیم کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ان زبانوں میں حضرت اسماعیلؑ کی مہارت بہت کارگر ثابت ہوئی۔

حضرت اسماعیلؑ کی شادی قبیلہ بنی جرہم کی ایک لڑکی سے ہوئی۔ توریت کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے جو اپنے اپنے قبیلہ کے سردار کہلائے اور یہ قبیلے اپنے سرداروں کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت اسماعیلؑ کے بیٹوں میں سے دو بڑے بیٹے بنایوت اور قیدار بہت مشہور ہیں اور ان کا ذکر توریت میں بھی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ عرب مورخین بھی ان کی تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ بنایوت کی نسل ''اصحاب الحجر'' کہلائی اور قیدار کی نسل ''اصحاب الرس'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ قیدار کی اولاد خاص مکہ میں رہی اور اسی سلسلۂ نسب میں نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔

حضرت اسماعیلؑ کی ایک بیٹی بھی تھی جس کی شادی عیسو سے ہوئی جو آپ کے چھوٹے بھائی حضرت اسحاقؑ کے بڑے فرزند حضرت یعقوبؑ کے بھائی تھے۔

حضرت اسماعیلؑ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جد اعلیٰ ہیں۔ آپؑ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کم و بیش پونے تین ہزار سال قبل پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیلؑ نے 137 برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت اسماعیلؑ کا مدفن کعبہ شریف میں میزاب اور حجر اسود کے درمیان بتایا جاتا ہے۔ اسی مقام سے متعلق روایت ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی ہاجرہؓ یہیں مدفون ہیں۔ انتقال کے وقت تک حضرت اسماعیلؑ کی اولاد اور نسل کا سلسلہ حجاز، شام، عراق، فلسطین اور مصر تک پھیل گیا تھا۔

قرآن حکیم میں مذکور یہ واقعہ ہمیں درس دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے صلہ و ستائش کی تمنا کے بغیر جب کوئی عمل کیا جاتا ہے تو وہ عمل بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت حاصل کر لیتا ہے کہ اللہ کریم آنے والی نسلوں تک اس عمل کو بطور سنت کے جاری فرما دیتے ہیں۔

حضرت اسماعیلؑ کے واقعہ میں اس کی کئی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ بی بی ہاجرہؓ کا اللہ کی ذات پر توکل کر کے جنگل بیابان میں رہ جانا اور ایمان و یقین کا مظاہرہ کرتے ہوئے پانی کی تلاش میں دو پہاڑیوں کے مابین دوڑنا اللہ کریم کو اس قدر پسند آیا کہ اس کے انعام میں بنجر زمین کی کوکھ سے شفاء بخش پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔ تلاش و جستجو کا یہ عمل دہرانا ہر اس فرد پر لازم قرار دے دیا گیا ہے جو اس کے مقدس گھر کی زیارت کے لئے آئے۔

اللہ کی راہ میں اپنی عزیز ترین شئے کو قربان کرنے کا درس دیتے ہوئے اس قصہ میں بتایا گیا ہے کہ بندہ جب اس تعلق سے واقف ہو جاتا ہے جو اس کا اپنے خالق کے ساتھ اور خالق کی معرفت دوسری مخلوق کے ساتھ استوار ہے تو وہ اپنے ہر عمل کے پس پردہ کام کرنے والی مشیئت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ پھر کائنات کا کوئی رخ اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ اس کے اندر ایمان و یقین کی طرزیں اس طرح مستحکم بنیادوں پر استوار ہو جاتی ہیں کہ وہ ہر شئے میں ذات باری تعالیٰ کا عکس دیکھ لیتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانے والی ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کا اللہ کی راہ میں قربان ہو جانے پر آمادہ ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ مادی دنیا میں رہتے ہوئے مادیت سے ماوراء عالمین سے نہ صرف یہ کہ واقف تھے بلکہ ان عالمین میں وارد ہونے والی

کیفیات اور مشاہدات ان کے تجربہ میں شامل تھے اس لئے انہوں نے باپ کے خواب کو خیالی بات سمجھ کر رد نہیں کیا بلکہ عالم رویاء میں وارد ہونے والے حکم کی تعمیل میں سر تسلیم خم کر دیا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خواب اور بیداری کے حواس سے مکمل واقفیت رکھتے تھے۔ نیز بیداری کی طرح خواب کی اہمیت ان پر واضح تھی۔

قرآن میں تفکر ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے قصہ میں دیگر بہت سی باتوں کے علاوہ عالم رویاء کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

آیئے! ہم خواب کے اجزاء، خواب کی اہمیت اور خواب کی حقیقت تلاش کریں۔

جس کو ہم خواب دیکھنا کہتے ہیں ہمیں روح اور روح کی صلاحیتوں کا سراغ دیتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ہم سوئے ہوئے ہیں۔ تمام اعضاء بالکل معطل ہیں۔ صرف سانس کی آمد و شد جاری ہے لیکن خواب دیکھنے کی حالت میں ہم چل پھر رہے ہیں، باتیں کر رہے ہیں، سوچ رہے ہیں، غم زدہ اور خوش ہو رہے ہیں، کوئی ایسا کام نہیں ہے کہ جو ہم بیداری کی حالت میں کرتے ہیں اور خواب کی حالت میں نہیں کرتے۔

یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ خواب دیکھنا اگر خیالی حرکات نہیں تو جاگ اٹھنے کے بعد کئے ہوئے اعمال کا کوئی اثر باقی کیوں نہیں رہتا؟

یہ بات بالکل لایعنی ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں ایک، دو، چار، دس، بیس ایسے خواب ضرور نظر آتے ہیں کہ جاگ اٹھنے کے بعد یا تو نہانے اور غسل کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے یا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھنے کے بعد اس کا پورا خوف اور دہشت دل و دماغ پر مسلط ہو جاتی ہے یا جو کچھ خواب میں دیکھا جاتا ہے، وہی چند گھنٹے، چند دن یا چند مہینے یا چند سال بعد من و عن بیداری کی حالت میں پیش آتا ہے۔ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں ملے گا جس نے اس طرح کا ایک خواب یا ایک سے زائد خواب نہ دیکھے ہوں۔اس حقیقت کے پیش نظر اس بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ خواب محض خیالی حیثیت رکھتا ہے۔ جب یہ مان لیا گیا کہ خواب محض خیالی نہیں ہے تو خواب کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

بیداری یا خواب دونوں حالتوں میں اہمیت اس بات کی ہے کہ ہم اس دوران انجام پذیر کام کی طرف متوجہ ہیں۔

تحقیق، بیداری ہو یا خواب جب ہمارا ذہن کسی چیز کی طرف یا کسی کام کی طرف متوجہ ہے تو اس کی اہمیت ہے ورنہ بیداری اور خواب دونوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

بیداری کا بڑے سے بڑا وقفہ بے خیالی میں گزرتا ہے اور خواب کا بھی بہت سا حصہ بے خبری میں گزر جاتا ہے۔ کتنی ہی مرتبہ خواب کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور کتنی ہی مرتبہ بیداری کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ پھر کیونکر مناسب ہے کہ ہم خواب کی حالت اور کواب کے اجزاء کو جو زندگی کا نصف حصہ ہیں نظر انداز کر دیں۔ بیداری ہو یا نیند دونوں کا تعلق حواس سے ہے۔ ایک حالت میں یا ایک کیفیت میں حواس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور ایک حالت میں یا کیفیت میں حواس کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ لیکن حواس کی نوعیت نہیں بدلتی۔ بیداری ہو یا خواب دونوں میں ایک ہی طرح کے اور ایک ہی قبیل کے حواس کام کرتے ہیں۔ بیداری اور نیند دراصل دماغ کے اندر دو خانے ہوتے ہیں یا یوں کہیئے کہ انسان کے اندر دو دماغ ہیں۔ ایک دماغ میں جب حواس متحرک ہوتے ہیں تو اس کا نام بیداری ہے۔ دوسرے دماغ میں جب حواس متحرک ہوتے ہیں تو اس کا نام نیند ہے۔ یعنی ایک ہی حواس بیداری اور نیند میں ردوبدل ہو رہے ہیں اور حواس کا ردوبدل ہونا ہی زندگی ہے۔

بیداری میں حواس کے کام کرنے کا قاعدہ اور طریقہ یہ ہے کہ آنکھ کے ڈیلے پر پلک کی ضرب پڑتی ہے تو حواس کام کرنا شروع کر دیتے ہیں یعنی انسان نیند کے حواس سے نکل کر بیداری کے حواس میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں ان صلاحیتوں کا تذکرہ کر دینا ضروری ہے جو خواب یعنی رویاء کے نام سے روشناس ہیں۔ چنانچہ خواب کے عالم میں انسان کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ روح گوشت پوست کے جسم کے بغیر بھی حرکت کرتی ہے اور چلتی پھرتی ہے۔ روح کی یہ صلاحیت جو صرف رویاء میں کام کرتی ہے ہم کسی خاص طریقے سے اس کا سراغ لگا سکتے ہیں اور اس صلاحیت کو بیداری میں استعمال کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔انبیاء علیہم السلام کا علم یہیں سے شروع ہوتا ہے اور یہی وہ علم ہے جس کے ذریعے انبیائے کرام نے اپنے شاگردوں کو یہ بتایا کہ پہلے انسان کہاں تھا اور اس عالم ناسوت کی زندگی پوری کرنے کے بعد وہ کہاں چلا جاتا ہے۔

ان غیبی کوائف کا مشاہدہ کرنے کے لئے تمام برگزیدہ ہستیوں، انبیاء اور رسولوں نے تفکر سے کام لیا ہے اور اپنے شاگردوں کو بھی اجزائے کائنات میں تفکر کی تعلیم دی ہے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ مرتبۂ پیغمبری کوشش سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ اللہ کا خصوصی فضل ہے جو کسی بندے پر کرتے ہیں۔ سلسلۂ رسالت و نبوت ختم ہو گیا ہے لیکن الہام اور روشن ضمیری کا فیضان جاری ہے۔

روحانی خواتین

اللہ اور اس کے رسول کی باتیں سننے کا ذوق اور اس کی تحصیل میں انتظار کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کے اندر اللہ کے رسول ﷺ سے قربت کی طلب ہے۔ کسی چیز کی طلب کا اندازہ اس کے انتظار سے ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انتظار زحمت ہے لیکن اگر انتظار کا صحیح مفہوم تلاش کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ساری زندگی بھی انتظار ہے، انتظار کو اگر زندگی میں سے نکال دیا جائے تو زندگی ختم ہو جائے گی۔

مثلاً بچہ پیدا ہوتا ہے والدین اس کی جوانی کا انتظار کرنا شروع کر دیتے ہیں، جب یہ بچہ جوان ہوتا ہے تو والدین اس کی شادی کا انتظار کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ذرا عمر بڑھتی ہے تو جوانی بڑھاپے کا انتظار شروع کر دیتی ہے اور جب آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے تو موت کا انتظار شروع کر دیتی ہے کہ جلدی سے یہ بندہ جو میرے اندر سے پیدا ہوا تھا واپس میرے اندر سما جائے۔ دنیاوی زندگی کو دنیا کے معاملات کو جس طرح بھی الٹ پلٹ کیا جائے تو ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ ساری زندگی انتظار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ کائنات بنائی تو کہا "کن" سب جانتے ہیں جیسے ہی اللہ نے کن کہا ساری کائنات وجود میں آ گئی۔ اب کائنات اس انتظار میں ہے کہ واپس اللہ کی طرف لوٹ جائے۔ "قالوا ان اللہ وان الیہ راجعون" ہر چیز جو دنیا میں ہے اسے واپس اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ کن کا دوسرا مرحلہ بھی انتظار ہے یعنی جس طرح ہماری زندگی لحہ لحہ انتظار ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ہمارے انتظار میں ہے کہ کب میرے بندے میرے پاس آئیں۔

بات یہ ہے کہ وہ بندے کس حالت میں اللہ تک جاتے ہیں جانا تو ہے۔ لاکھوں، کروڑوں سال سے یہ دنیا قائم ہے، اس میں کوئی بھی نہیں رہا۔ بڑے بڑے بادشاہ چلے گئے، فقیر چلے گئے اور حد تو یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ نے یہ ساری کائنات تخلیق کی وہ بھی دنیا سے تشریف لے گئے۔ انتظار اس بات کی علامت ہے کہ آپ کے اندر ایک جذبہ کارفرما ہے، ذوق ہے، شوق ہے اور ایک بے قراری ہے۔ لاشعوری اور روحانی کیفیت یہ ہے کہ آدمی کے اندر ایک اضطراب ہے، اضطراب یہ ہے کہ کس طرح ہم اپنے خالق اللہ کو پہچان لیں، ہمیں وہ راستہ مل جائے جس راستے پر چل کر زندگی کا اصل مقصد حاصل ہوتا ہے۔ اس دنیا میں آنے کے بعد ہم دو حصوں میں تقسیم ہیں۔ دو حصوں میں تقسیم ہونے پر ہم مجبور ہیں اس لئے یہ تخلیقی قانون ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے اس دنیا کو مذکر اور مونث سے رونق بخشی ہے یعنی دنیا کی رونق مرد اور عورت ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ہم نے ہر شئے کو جوڑا جوڑا بنایا ہے اور ہم نے ہر مرد کو ہر عورت کو دو رخوں سے تخلیق کیا ہے۔“ ہم نے ہر شئے کو تخلیق کیا جوڑے جوڑے یعنی عورت بھی دو رخوں سے تخلیق ہوئی اور مرد بھی دو رخوں سے تخلیق ہوا اب ان دو رخوں کی صورت یہ ہوئی کہ خواتین مغلوب ہو گئیں اور مرد غالب آ گئے۔تاریخ میں زیادہ تر ادوار ایسے آئے ہیں کہ خواتین کی کثرت رہی اس کے باوجود خواتین مغلوب رہیں اور مرد غالب رہے۔عورت کے ساتھ ظلم و زیادتی ہوتی رہی۔کبھی عورت کو کنیز بنایا گیا کبھی اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں، کبھی اس کی ناک میں نکیل ڈال دی گئی، کبھی اس کو بازار میں منڈی لگا کر بھیڑ اور بکریوں کی طرح بیچا جانے لگا۔ایسا بھی ہوا کہ مخصوص دنوں میں اس کو کمروں میں بند کر دیا گیا کہ یہ ناپاک ہے، غلیظ ہے، ہاتھ کا پکا ہوا کھانا چھوڑ دیا گیا اور مرد نے عورت کو اپنے لئے کھلونا بنالیا۔یہ ایک بڑی گھناؤنی تاریخ ہے۔مرد اس لئے اس کو بیان نہیں کرتے کہ اس آئینے میں انہیں اپنے ظلم کا چہرہ نظر آتا ہے۔عرصہ گزر گیا عورت کی بے حرمتی بے حرمتی نہیں رہی، عورت کے لئے بے عزتی کبھی بے عزتی نہیں سمجھی گئی۔جب اس ظلم کو طویل عرصہ گزر گیا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی بیگم حضرت ہاجرہؓ کو پیدا کیا، حضرت ہاجرہؓ سے حضرت اسماعیلؑ کو وجود بخشا، حضرت سارہؓ سے حضرت اسحاقؑ کو پیدا کیا، مقصد یہ تھا کہ مردوں کا غلبہ ختم ہو، عورت اپنی حیثیت کو اپنی صلاحیت کو اور اللہ تعالیٰ سے عورت کو جو قربت حاصل ہے اسے سمجھ کر عورت اقتدار میں توازن پیدا کرے لیکن یہ صورت عارضی طور پر پیدا ہوئی اور پھر مردوں کا غلبہ ہو گیا اور عورت مغلوب ہو گئی۔

مرد نے عورت کو ماں بھی کہا، بہن بھی کہا اور اس ہی عورت کو اس نے کنیز بھی بنالیا۔جب پانی سر سے اونچا ہو گیا اور کائناتی تخلیق کا دوسرا رخ معطل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس عورت پہ رحم کیا اور اپنے محبوب بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا۔رسول اللہ ﷺ نے عورت کو عزت دی، عورت کا وقار بلند کیا، مردوں نے عورتوں کے جو حقوق پامال کر دیئے تھے انہیں بحال کیا اور عورت کو وہ درجہ دے دیا جو تقریباً مرد کے برابر تھا۔اللہ تعالیٰ کے ذہن کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا:

”مسلمان مرد مسلمان عورتیں، مومن مرد، مومن عورتیں، قناعت پسند مرد، قناعت پسند عورتیں اور عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور عصمت کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں، ان کے اعمال کا اجر اللہ کے پاس ہے۔تقویٰ میں عورت اور مرد دونوں اللہ کے نزدیک برابر ہیں۔“

نبی مکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عورت کے اوپر احسان عظیم ہے کہ رسول اللہ ﷺ عورت کو اسفل سافلین سے نکال کر اسی مقام پر لے آئے ہیں جہاں تقویٰ میں اسے مردوں کے برابر مقام مل گیا ہے لیکن عجیب صورت حال ہے باوجود اس کے کہ عورت کے ساتھ اللہ ہے اور اس کو اللہ کے رسول ﷺ کا پورا پورا تعاون حاصل ہے عورت نے کبھی بھی اپنی صلاحیتوں کے

بارے میں فکر نہیں کی، عورت نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ وہ مرد کے بے جا غلبہ سے خود کو آزاد کرا کے اپنا روحانی تشخص تلاش کرے۔ میں اس آزادی کے حق میں نہیں ہوں جو مغرب نے عورت کو آزادی دی ہے، میں اس آزادی اور مقام کی بات کر رہا ہوں کہ جو اللہ کے رسول ﷺ نے عورت کو دی ہے۔ عورت کو اللہ نے ماں بنا دیا، کوئی بھی بندہ غور کرے کہ آج کا پیدا ہونے والا بچہ کیا ہے۔ سائنسی ترقی کے دور میں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ بچہ کا ایک ایک عضو ایک ایک بال ماں کے خون سے بنا ہے۔ پیٹ میں جب ابتداء ہوتی ہے۔ تو بچہ مٹر کے دانے کے برابر ہوتا ہے۔ اسی مٹر کے دانے میں ماں نو مہینے تک اپنا خون انڈیلتی رہتی ہے۔ یعنی اس مٹر کے دانے کے اندر جو جان ہے اس کو ماں نے اپنا خون پلا پلا کر نشوونمادی ہے اور نو مہینے تک بچہ جو مٹر کے دانے کے برابر تھا اپنی ماں کا خون پیتا رہتا ہے۔ ماں کے خون سے اس کی ہڈیاں بنتی ہیں۔ ماں کے خون سے اس کا گوشت بنتا ہے، ماں کے خون سے اس کا دل بنتا ہے، پھیپھڑے بنتے ہیں، گردے بنتے ہیں انتہا یہ کہ دماغ بنتا ہے۔ اگر ماں کی صحت کمزور ہوتی ہے تو بچے بھی کمزور ہوتے ہیں، ماں کی صحت اچھی ہے تو بچے بھی صحت مند پیدا ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ماں کا ذہن پاکیزہ ہے تو بچے بھی پاکیزہ پیدا ہوتے ہیں۔ آپ غور کریں نو مہینوں تک جو خون بچے کو فیڈ کر رہا تھا وہی خون دودھ بن کے بچے کو فیڈ کرتا ہے۔ بچہ چلنے پھرنے بھی لگتا ہے اس کے دانت بھی نکل آتے ہیں اور اس کے اندر عقل و شعور بھی پیدا ہو جاتا ہے وہ جاننے بھی لگتا ہے، سمجھنے بھی لگتا ہے، پہچاننے بھی لگتا ہے، کھانے بھی لگتا ہے۔

یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ بچہ ماں کے علاوہ کچھ نہیں، جب وہی بچہ جو ماں کے علاوہ کچھ نہیں ہے عقل و شعور کو پہنچتا ہے بالغ ہوتا ہے، باشعور ہوتا ہے تو عورت کو کنیز کے نام سے یاد کرتا ہے، کس قدر ناشکری ہے، کس قدر احسان فراموشی ہے لیکن اس احسان فراموشی میں ماں کا بھی دخل ہے اس لئے کہ ماں کو اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیت ودیعت کر دی ہے وہ اسے تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتی۔ کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ عورت اور مرد کی روح الگ الگ ہے؟ جس طرح ایک مرد کو بھوک لگتی ہے عورت کو بھی بھوک لگتی ہے جس طرح ایک مرد مر کر لاش بن جاتا ہے اس طرح عورت بھی مر کر ایک لاش بن جاتی ہے۔ دونوں میں روح ایک ہے۔ روح کا نام عورت مرد نہیں ہے۔ روح کو تخلیقی PROCESS سے گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو رخ متعین کئے ہیں۔ اللہ وہ ہے جو ہر چیز کو جوڑے دوہرے پیدا کرتا ہے۔

جب یہ طے ہو گیا کہ اللہ کی طرف سے عورت کے اوپر کوئی ایسی پابندی نہیں ہے کہ عورت مغلوب بن کر رہے اگر اللہ تعالیٰ نے شوہر کے حقوق رکھے ہیں تو بیویوں کے بھی حقوق ہیں۔ مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا:

”عورت کو اللہ تعالیٰ نے بڑے حقوق دیئے ہیں، عورت نے کبھی اس طرف توجہ ہی نہیں دی۔“

انہوں نے فرمایا کہ اگر ایک عورت بچے کی پیدائش کے بعد اس بات سے انکار کرے کہ میں بچے کو دودھ نہیں پلاؤں گی تو یہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کے دودھ کا انتظام کرے۔ اگر عورت چاہے تو اپنے بچے کو دودھ پلانے کا معاوضہ بھی لے سکتی ہے۔ مرد کے اوپر یہ فرض ہے کہ اگر عورت الگ گھر میں رہنا چاہے تو شوہر بیوی کو الگ گھر دے کر رکھے اور اس کی تمام ضروریات کی کفالت کرے لیکن یہاں بڑی عجیب صورت حال یہ ہے کہ جب عورت اور مرد کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا اور یہ سوچا گیا کہ مرد کو تو زیادہ حقوق حاصل ہیں، عورت کو کم حقوق حاصل ہیں تو غیر مسلم دنیا سے آواز اٹھی کہ عورت کو بھی مردوں کے برابر درجہ ملنا چاہئے۔ عورت کو بھی مردوں کے برابر حقوق ملنا چاہئیں۔ کون سے حقوق عورت کو ملے؟ عورت صبح کو اٹھتی ہے جلدی جلدی ناشتہ کرتی ہے، شوہر کو بچوں کو ناشتہ کراتی ہے، بچوں کو اسکول میں بھیجتی ہے اور دفتر میں جا کر بیٹھ جاتی ہے، بینک میں ملازمت کرتی ہے۔ پانچ چھ بجے تک وہاں محنت مزدوری کرتی ہے۔ دراصل یہ ذمہ داری باپ کی تھی اور ہے۔ شام کو پھر ہانڈی میں مصروف ہو جاتی ہے۔

حقوق کہاں ملے؟ حقوق تو یہ ہیں کہ آپ اپنے گھر میں رہیں اپنی چاردیواری میں رہیں اور شوہر آپ کے کھانے پینے کے خورد و نوش آپ کے لباس اور دوسری ضروریات کا انتظام کرے۔ آپ کے بچوں کی پرورش کرے جو اسلام نے اس کے اوپر ذمہ داری عائد کی ہے اسے پوری کرے لیکن اسلام کے خلاف عورت کے حقوق کی بحالی کا دعویٰ کر کے غیر مسلموں نے اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے عورت کو مزدور بنادیا ہے کہ وہ گھر کی روٹی بھی پکائے اور گھر سے باہر جا کے ملازمت بھی کرے۔ عورت کا فرض ہے کہ بچوں کی صحیح تربیت کرے اپنے گھر کو اجار کھے اور اپنے شوہر کے حقوق پورے کرے۔ شوہر کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کے حقوق پورے کرے اور گھر کی تمام معاشی ضروریات کا کفیل ہو۔ یہ کیسا نظام ہے کہ عورت بچوں کے لئے پیسے بھی کما کے لائے، کھانا بھی پکائے؟

روحانی نقطہ نظر سے عورت اور مرد دونوں ایک ہیں کسی روح کا نام عورت نہیں رکھا جاتا اور کسی روح کا نام مرد نہیں رکھا جاتا۔ لہٰذا روح ایک ہے، روح کا جو روپ بہروپ ہے، روح کا جو مظاہرہ ہے وہ الگ الگ ہے اور وہ مظاہرہ ایک تخلیقی ضرورت ہے۔ ہم جب تخلیقی ضرورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو وہاں بھی یہ نظر آتا ہے کہ عورت وہ کام کر رہی ہے جو اللہ کر رہا ہے۔ اللہ بھی خالق ہے، عورت بھی ذیلی خالق ہے، اللہ بھی بغیر صلہ وستائش اور بغیر معاوضے کے اپنی مخلوق کو وسائل فراہم کر رہا ہے، ہر چیز مفت فراہم کی جا رہی ہے، اسی طرح جب ہم ماں کو دیکھتے ہیں تو ماں بھی اپنے بچے کو وسائل فراہم کر رہی ہے۔ نو مہینے پیٹ میں رکھ کر وسائل فراہم کرتی ہے۔ سوا دو سال تک دودھ پلا کر اولاد کو مفت وسائل فراہم کرتی ہے اور انتہا یہ ہے کہ جب تک بچہ جوان ہوتا ہے اس کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ ایک بچہ کا کام چار پانچ آدمیوں کے برابر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب اپنی محبت کا تذکرہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔ یہاں بھی عورت کا درجہ افضل قرار پایا۔

روحانی صلاحیت اور علم کے بارے میں غور وفکر کیا جائے تو سب سے زیادہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال حضرت عائشہؓ سے منقول ہیں۔

غار حرا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مراقبہ کرنے تشریف لائے اور فرمایا:

اقرا باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق

حضور پاک ﷺ حضرت جبرائیلؑ فرشتہ کو دیکھ کر گھبرا گئے اور اس گھبراہٹ میں حضرت بی بی خدیجہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔

حضرت بی بی خدیجہؓ نے تسلی دی، تشفی دی اور کہا کہ آپ تو غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مسافروں کا خیال رکھتے ہیں، آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ آپ کے اوپر اللہ کی مہربانی اور عنایت ہے کہ آپ کو منتخب کر لیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضور پاک ﷺ کو حضرت بی بی خدیجہؓ ڈھارس نہ دیتیں تو کیا نتیجہ ہوتا۔ پھر صحابیات کی زندگی پر تفکر کیا جائے تو لڑائیوں میں انہوں نے حصہ لیا۔ علم میں وہ ایک بلند مقام پر نظر آتی ہیں۔ اولیاء اللہ کی طرف آجایئے۔

اولیاء اللہ میں حضرت رابعہ بصریؒ پیدا ہوئیں اور بے شمار خواتین پیدا ہوئیں بے شمار قلندر ہوئیں۔ میں نے کتاب ''جنت کی سیر'' میں لکھا ہے کہ یہ آدھا قلندر کیا ہوتا ہے۔ ایک عورت نے اگر ایم۔اے کیا ہے تو وہ آدمی ایم۔اے ہے؟ ایک عورت اگر پی۔ایچ۔ڈی ہے تو وہ آدھی پی۔ایچ۔ڈی ہے؟ مرد نے پی۔ایچ۔ڈی کی تو وہ پورا پی۔ایچ۔ڈی ہے یہ کیا بات ہوئی؟ عورت ہو یا مرد ہے پی۔ایچ۔ڈی۔ اس طرح قلندر، قلندر ہے چاہے وہ عورت ہو یا مرد ہو اور تاریخ پر چونکہ مردوں کا تصرف رہا، اقتدار بھی مردوں کے ہاتھ میں رہا، بادشاہتیں مردوں کے ہاتھ میں رہیں نتیجہ یہ نکلا کہ اولیاء اللہ خواتین کے نام بھی گنے چنے رہ گئے۔

ہمارے ایک عزیز دوست سولنگی روزنامہ عبرت میں سندھی میں روحانی کالم لکھتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا یہ تلاش کرو کہ لاکھوں سال میں دو تین ہی عورتیں ولی اللہ کیوں ہوئیں جبکہ دونوں میں روح ایک ہے۔ دیکھنے میں اور تجربے میں یہ بات آئی ہے کہ ہر مذہب میں عورتیں زیادہ مذہبی ہوتی ہیں۔ عورت کا دل اللہ سے زیادہ قریب نظر آتا ہے۔ دو ڈھائی سال کی کوشش سے ایک سو سترہ (۱۱۷) اولیاء اللہ خواتین کے نام دریافت ہوئے ہیں۔ انشاء اللہ جب وہ کتاب منظر عام پر آئے گی تب پتہ چلے گا کہ مرد ہی ولی اللہ نہیں ہوتے عورتیں بھی اولیاء اللہ ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورت کمزور اور ناقص ہے، کوئی عورت پیغمبر نہیں ہوئی لیکن ساتھ ساتھ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت مریم کا درجہ پیغمبروں جتنا ہے۔ اب حضرت مریمؑ کو ان کے خالو حضرت زکریاؑ نے ایک حجرہ میں بند کر دیا اور بھول گئے۔ دو تین دن بعد یاد آیا کہ میں نے مریمؑ کو کھانے پینے کو کچھ نہیں دیا اس کا حشر کیا ہوا ہوگا، جا کے دروازہ کھولا تو وہ ہشاش بشاش بہت خوش، صحت مند نظر آئیں۔ حضرت زکریاؑ نے پوچھا تین چار دن تمہیں غذا کہاں سے ملی۔

کہنے لگیں میرے اللہ نے مجھے کھلایا پلایا۔ میرے لئے دو وقت تھال آ جاتا ہے میں خوب کھاتی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے قادر مطلق ہونے کے ثبوت کے لئے حضرت مریمؑ کا انتخاب کیا۔ جس طرح آدمؑ کو اللہ نے بغیر ماں کے پیدا کیا اور حوا کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا۔ اس طرح حضرت مریمؑ کے بطن سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کیا۔ جس طرح حضرت آدمؑ کی پیدائش میں قادر مطلق ہستی کی قدرت نظر آتی ہے اسی طرح یہ عظمت حضرت مریمؑ کو بھی حاصل ہے کہ حضرت مریمؑ سے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کو پیدا کر دیا۔ کیا عورت اب بھی یہ کہے گی کہ اس کے اندر اللہ کی صفات نہیں ہیں۔ کیا عورت اب بھی یہ کہہ سکتی ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور ہے۔ اللہ نے کسی بھی مرحلے میں کسی بھی قدم پر عورت کو محروم نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کی عظمت کو اجاگر کیا ہے، جہاں مردوں کی عظمت کو اجاگر کیا وہاں عورت کی بھی عظمت کو اجاگر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو آپ پڑھیں جب کبھی دائی حلیمہ تشریف لاتی تھیں تو رسول پاک ﷺ اپنی چادر بچھا دیا کرتے تھے۔ کھڑے ہو کے ادب و احترام سے ان کی خدمت کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت حلیمہ نے انہیں صرف دودھ ہی پلایا ہے۔

اللہ کا عورت کے ساتھ ایک خصوصی ربط اور تعلق ہے اور تخلیق میں عورت کو اللہ نے اپنا نائب بنایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں تخلیق کرنے والوں میں بہترین خالق ہوں۔ اب تخلیق کرنے والوں میں دوسرا خلق تو ماں کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا یعنی اللہ کے بعد اگر کوئی ہستی تخلیق کرنے والی ہے تو وہ ماں ہے اتنی قربت کے بعد بھی اللہ سے دوری ہو۔۔۔۔۔ دوری تو نہیں ہے۔ یعنی اللہ سے اتنی قربت بھی نہ ہو کہ آپ اللہ کو دیکھ سکیں تو یہ میرے خیال میں کفران نعمت اور ناشکری کی بات ہے۔ سلسلہ عالیہ عظیمیہ نے اس بات کو بہت محسوس کیا ہے کہ پانچ ہزار سال کی تاریخ میں ہر طرف مرد کا ہی اقتدار ہے۔ مردوں نے دنیا کو عذاب بنا دیا ہے۔ کوئی مرد ایٹم بم بنا رہا ہے۔ کوئی میزائل بنا رہا ہے۔ کوئی مہلک ہتھیاروں کی بھٹیاں سلگا رہے ہیں۔ ظالم انسان اس بات میں لگا ہوا ہے کہ کسی طرح دنیا کو تباہ و برباد کر دیا جائے اور ماں اس الجھن میں پریشان ہے کہ کسی طرح دنیا کو محافظ مل جائے اور دنیا امن و سکون کا گہوارہ بن جائے تو سلسلہ عالیہ عظیمیہ کے بڑوں نے ایک پروگرام بنایا ہے کہ عورت کو اس کی اپنی ذاتی صلاحیتوں سے آگاہ کیا جائے جب اس کو آگاہ ہی نہیں کیا جائے گا اور وہ اپنی صلاحیتوں سے آشنا ہی نہیں ہو گی تو اقدام کیسے کرے گی۔ قدم آگے کیسے بڑھائے گی۔

اللہ کا نام لے کے ہم نے یہ کام شروع کر دیا ہے۔ خواتین میں بھی کام شروع کیا، مردوں میں بھی کام شروع کیا۔ مردوں کو بتایا کہ تمہارے اندر بھی وہی روح کام کر رہی ہے جو تمہاری ماں کے اندر کام کر رہی ہے۔ تم اپنی روحانی صلاحیتوں کو بیدار کرو اور خواتین کو بتایا کہ وہ اپنی روحانی صلاحیتوں کو بیدار کریں۔ اللہ کا کرم ہے مردوں نے بھی ہماری بات سنی اور عورتوں نے بھی ہماری بات سنی، مخالفتیں بھی ہوئیں کہ بڑے عجیب لوگ ہیں کہ جو عورت کو بھی روحانی بنانا چاہتے ہیں۔ میں کیا کہتا ہوں اللہ کہتا ہے اللہ کا رسول کہتا ہے۔ یہ ہم نے کوشش کی، جدوجہد کی، پہلے ہم دو آدمی تھے پھر چار بنے پھر مخالفتیں بھی پیش آئیں۔ ہر اچھے کام میں مخالفتیں بھی ہوتی ہیں اور نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ خواتین سلسلہ عظیمیہ میں تشریف لائیں اور انہوں نے سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات پر عمل کیا،

سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات یہ ہی ہیں کہ روح مرد یا عورت نہیں ہوتی، روح میں سب برابر ہیں۔ اگر کوئی عورت اپنی روح کو بیدار کر لے وہ خدارسیدہ ہو جائے گی، اگر کوئی مرد اپنی روح کو بیدار کرلے تو وہ خدارسیدہ ہو جائے گا۔

مرکزی مراقبہ ہال

مرکزی مراقبہ ہال کراچی کا محل وقوع اس طرح ہے کہ اس کے چاروں طرف سڑک ہے۔ چاروں سڑکوں پر سڑکیں کراس کر رہی ہیں کہ مین گیٹ کے سامنے ایک سڑک اپنا دامن پھیلائے چاک دامن پریشان حال لوگوں کی منتظر ہے۔

KDA کے پلان کرنے والے انجینئر نے جیسے یہ سڑک مراقبہ ہال کے لئے ہی بنائی ہو۔ مراقبہ ہال کے سامنے کی سڑک کے لئے حور و غلمان کی سیدھی مانگ کا استعارہ خوب ہے۔

مرکزی مراقبہ ہال ایک ایسی جگہ ہے جس کے بارے میں لوگ مختلف باتیں کرتے ہیں۔ یہاں آنے والے افراد میں مختلف رنگ و روپ اور نقش و نگار کی مناسبت سے کیفیات بھی مختلف ہوتی ہیں۔ مراقبہ ہال کے حدود اربعہ پر غور کیا جائے تو یہ زمین کا ایک مستطیل ٹکڑا ہے۔ جس کے چاروں طرف درخت ہیں۔ درختوں کے نیچے کیاریاں ہیں۔ ان کیاریوں میں تقریباً ہر رنگ کے پھول ہیں۔ موسمی پھولوں کے علاوہ سدا بہار پھولوں سے اس کا حسن دوبالا ہے۔ لگتا ہے زمین کے ماتھے پر ایک بہت خوبصورت جھومر ہے۔

پھولوں کی کون سی ایسی قسم ہے جو یہاں نہیں ہے۔ گلاب کے تختے ہیں، ہزار پنکھڑی گیندہ ہے، موتیا ہے، چنبیلی ہے، رات کی رانی ہے، ہار سنگھار اور زہرہ ہے، دن کا راجہ ہے۔

سلیقے سے بنی ہوئی روشیں ہیں۔ مخملی گھاس قالین کی ضرورت پوری کرتا ہے۔

۲۸ پھلوں کے مختلف درخت ہیں۔ ان میں کھٹے میٹھے کسیلے بہت شیرینی ہر قسم اور ہر ذائقہ کا پھل موجود ہے۔

چھتری نما درخت ہیں۔ اگر درخت کے نیچے تنا پکڑ کر کوئی آدمی کھڑا ہو جائے تو لگتا ہے وہ چھتری کے نیچے ہے۔

یہاں خوش نما پرندے صبح دم اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ ایسی ایسی بولیاں بولتے ہیں کہ کانوں میں رس گھل جاتا ہے۔

مراقبہ ہال کے اندر کی دنیا بھی عجیب ہی دنیا ہے۔ دن کی روشنی میں یہاں درختوں، پتوں، پھولوں اور یہاں کے مکینوں کے اجسام سے ہر وقت میٹھی اور ٹھنڈی روشنی پھوٹتی رہتی ہے۔ گلاب، چمپا، چائنہ روز، موتیا، چاندنی چنبیلی رات کی رانی سرخ پیلے ہرے سفید بنفشی ایک پھول میں کئی کئی رنگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھولوں پر جسم مثالی خندہ دہن متحرک نظر آتا ہے۔

رات کو اندھیرے (تاریک روشنی) میں کھلی آنکھوں پتہ پتہ بوٹا بوٹا ڈالی ڈالی اودے نیلے نیلے پیرہن میں ملبوس پھول اپنا حال بیان کرنے کے لئے بیتاب ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ آستانے کے اندر اور باہر روپیلی جھماکے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک کارواں ہے جو آرہا ہے، جارہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ کون جانے یہ اللہ کے برگزیدہ ولیوں کی روحیں ہیں یا ارضی و سماوی فرشتے۔ نصف شب کے بعد آسمان اور زمین کا فاصلہ کم رہ جاتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ جگ مگ کرتے ستارے ستاروں بھری کہکشاں زمین پر اتر آئے گی۔۔۔۔۔۔۔۔ چودھویں کا چاند اپنے باطن کے انوار سے یہاں موجود ہر شئے کو غسل دے کر پاکیزگی کا احساس دلاتا ہے جیسے ہی یہ احساس جسم سے ٹکراتا ہے۔ بندہ لطافت کے دریا میں خود کو ڈوبا ہوا دیکھتا ہے۔

رات دو بجے رحمت کی بھرن پڑتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ شبنم سے بنے ہوئے موتی پھوار بن کے جب سالک کے سراپا کو چھوتے ہیں تو اس کے من مندر میں اللہ کی مورتی جلوہ گر نظر آتی ہے۔

یہاں جو لوگ رہتے ہیں ان کے چہروں سے سکون اور طمانیت کا قلب جھلکتا ہے۔ یہاں کا باسی ہر شخص اپنے اندر گم کائنات کے کھوج میں مصروف ہے۔ اس ماورائی خطے میں کچھ لوگ جب داخل ہوتے ہیں تو کہتے ہیں اف! کس قدر سناتا ہے۔ کچھ لوگ جن کے اندر روشنی مدہم نہیں ہوئی ہے مست و بے خود اللہ کی صفات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں خدایا یہ کیسا سکون ہے کہ اس خطہ زمین پر آنے کے بعد ہر غم ہر پریشانی خوشی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ وسوسوں کا سیل رواں رک جاتا ہے۔ ہر طرف سبز روشنی ہے۔ پھول ہنستے مسکراتے ہیں۔ آسمان سے رحمت کی بارش برستی ہے۔ کبھی ایسا لگتا ہے کہ پھول یہاں آنے والوں سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔

ایک رات جب کہ گھپ اندھیرا تھا اور تاریک رات سے مراقبہ ہال روشن تھا مجھے خیال آیا کہ اندھیرے میں روشنی کا کیا مطلب ہے؟

رات کی دبیز سیاہ چادر میں چمک کیسی ہے؟

میرے اندر کے آدمی نے مجھے بتایا کہ اندھیرا بھی روشنی ہے اور جو بندہ تاریکی سے باخبر ہو جاتا ہے اس کے اوپر ایک نئی دنیا کا انکشاف ہوتا ہے۔

میرے لئے یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اندھیرا روشنی ہے اور اس روشنی میں کائناتی رموز ظاہر ہوتے ہیں اور تو کچھ نہیں کر سکا، میں

نے اٹھ کر مراقبہ ہال میں گھومنا شروع کر دیا۔ تیسرے چکر میں یہاں بنے ہوئے ایک غار میں جا بیٹھا۔ اس غار کے اوپر PYRAMID ہے۔ پیرامڈ کے بارے میں بہت ساری باتیں سنی ہوئی، دماغ کی اسکرین پر فلم بن گئی۔ پیرامڈ میں رکھے ہوئے کھانے خراب نہیں ہوتے، پیرامڈ میں ریزر کی دھار خراب نہیں ہوتی۔ پیرامڈ میں رکھی ہوئی چیزوں کو چھیڑنے سے روحیں ناراض ہو جاتی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

سیڑھیاں اتر کر جیسے ہی میں اندر داخل ہوا آنکھیں خمار آلود ہو گئیں، پپوٹے بھاری ہو گئے اور پلک کے جھپکنے کا عمل ساکت ہو گیا۔ حواس کی رفتار اتنی تیز ہو گئی کہ حواس ساکت محسوس ہونے لگے۔ آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوندی۔۔۔۔۔۔۔۔اس بجلی کا اوپری رنگ نیلا تھا لیکن اس نیلے رنگ کے اندر سچے موتیوں کی چمک تھی۔ سچے موتیوں کی چمک کے پیچھے یاقوتی رنگ کا ایک Shadow تھا۔

میں نہیں جانتا کہ روشنی کہاں سے آتی تھی۔ میں نے صرف اتنا دیکھا کہ روشنی کی ایک لاٹ آنکھوں میں داخل ہوئی۔ دماغ کے اندر جھماکا ہوا یکایک روشنی بکھر گئی۔ بکھرنے کے عمل میں روشنی کی ہزار ہا قسمیں بن گئیں اور یہ ہزار ہا قسمیں دراصل ہزاروں رنگ تھے اور ان رنگوں میں سے ایک رنگ جس کو میں نے گہرا نارنجی رنگ محسوس کیا میرے دل میں اتر گیا۔ دل میں اترنے کے بعد اس رنگ جس کو میں نے گہرا نارنجی رنگ محسوس کیا میرے دل میں اتر گیا۔ دل میں اترنے کے بعد اس رنگ میں مزید کئی رنگ شامل ہو گئے جس میں سرخ کلیجی رنگ نمایاں تھے، یکایک ایک نقرئی ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے میری ناک پر ایک چشمہ رکھ دیا اور چشمے کے اندر شیشے قرمزی رنگ کے تھے۔ جیسے ہی آنکھوں پر چشمہ رکھا گیا مراقبہ ہال میں موجود ہر شئے اپنے اصل رنگ و روپ میں نمایاں ہو گئی۔ سب سے پہلے میری نظر انجیر کے درخت پر پڑی اور پھر زیتون کے درخت پر آ کر رک گئی۔ انجیر اور زیتون کا ذکر میں نے بار بار قرآن پاک میں پڑھا ہے۔

اللہ کہتا ہے:

"قسم ہے انجیر اور زیتون کی۔"

"اللہ روشنی ہے آسمانوں اور زمین کی۔ روشنی کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ اور وہ چراغ ایک شیشے میں ہو۔ شیشہ ایک چمکتے ہوئے ستارے کی طرح ہے۔ اس میں تیل جلتا ہے۔ مبارک درخت زیتون کا۔ یہ درخت نہ مشرق میں ہے نہ مغرب میں ہے۔ لگتا ہے کہ روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ، نور اعلیٰ نور، اللہ دکھلا دیتا ہے اپنے کو جس کو چاہے اور اللہ لوگوں کو مثالوں سے سمجھاتا ہے۔ اور فی الواقع سب کچھ اللہ ہی جانتا ہے۔"

(القرآن)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے زیتون کے درخت کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ جس کو چاہے اس نور کی ہدایت بخشا ہے اور اللہ لوگوں کو مثالیں دے کر سمجھاتا ہے۔ فی الواقع پورا علم اللہ ہی جانتا ہے۔ بندے صرف اتنا جانتے ہیں جتنا علم اللہ نے بندوں کو سکھایا ہے۔

میری جان جب زیتون کے درخت کی جان سے گلے ملی تو زیتون کے اندر کی روشنیاں میرے اندر کی روشنیوں میں گڈ مڈ ہو گئیں۔ آدمی کی روشنیاں اور زیتون کے درخت کی روشنیاں جب ہم آغوش ہوئیں تو نور کی تنی ہوئی ایک چادر نظر آئی اور اسی نورانی چادر میں مراقبہ ہال میں موجود ہر شئے کے نقش و نگار آنکھوں کے سامنے آ گئے۔

دیکھا کہ میری جان اور مراقبہ ہال کی زمین پر بنے ہوئے تمام نقش و نگار کی جان تو ایک ہے خدوخال مختلف ہیں۔ ہر مختلف خدوخال مختلف کیفیات کا مظہر ہے۔ یہ کیفیت ہی تو ہے جو انسان کو درخت کو چرند کو پرندے کو ایک دوسرے سے الگ الگ ہونے کی اطلاع فراہم کرتی ہے۔

انجیر اور زیتون کی جان نے مجھے بتایا:

یہ زمین آسمان ان کے اندر ہر مخلوق کے جسمانی خدوخال الگ الگ نظر آتے ہیں لیکن ان سب میں جان ایک ہے اور جب کوئی جان دوسری جان سے گلے مل جاتی ہے تو آنکھ ہر جان کا نظارہ کرتی ہے۔

مراقبہ ہال میں آنے والے لوگوں پر بے خودی اس لئے غالب آ جاتی ہے کہ یہاں ایک جان ایسی ہے جو سب کو جانتی ہے اور سب اس کو جانتے ہیں اور اس سے گلے ملتے ہیں۔ جو لوگ مراقبہ ہال میں اکتاہٹ، بے زاری اور سناٹا محسوس کرتے ہیں، دراصل وہ اپنی جان سے واقف نہیں ہونا چاہتے۔

جو خود سے واقف نہ ہوا ایسے خود فراموش آدمی کو زمین و آسمان سب بھول جاتے ہیں۔

میں ایک رات مراقبہ ہال کے ماورائی ماحول میں چاندنی کے حسن سے سرشار، آسمان کو تک رہا تھا، آنکھیں پلکیں جھپکنے کا عمل بھول چکی تھیں، دیدے ساکت تھے، دماغ پر خمار چھایا ہوا تھا، قلب کی حرکت تیز تھی نہ کم، دل سبک خرام تھا، اس سے باہر کی نظر اندر اترتی چلی گئی۔۔۔۔۔۔۔۔ نظر آیا کہ باہر دیکھنے والی آنکھ اندر جھانک رہی ہے۔

دیکھا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔ اندر ایک نقطہ ہے۔ سیاہ نقطہ، نقطے کے اطراف روشنی کا ہالا ہے۔ روشنی کے اس ہالے پر نور کا غلاف ہے۔

ور کے ہالے پر ایک اور ہالا ہے جو رنگین بھی ہے، بے رنگ بھی ہے اور ورائے بے رنگ بھی۔۔۔۔۔۔۔۔!
نقطہ کی سطح سے نظر جو نقطہ کے اندر گئی تو دیکھا کہ یہ نقطہ، میری ذات کا آئینہ ہے۔ آئینہ میں خود کو دیکھا تو وہاں ایک اور ''میں'' نظر آیا۔۔۔۔۔۔۔۔اس ایک اور میں کے باطن میں پھول جھڑیاں چھوٹتی ہوئی نظر آئیں۔

پھول جھڑی کا ہر پھول جب میں کے باطن سے الگ ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے اندر خدوخال (Dimension) بن گئے۔ اور ہر خدوخال نے نیا روپ دھار لیا۔

''میں'' کے اندر چکا چوند کے نت نئے روپ میں۔۔۔۔۔۔میں نے خود کی تلاش کی تو وہاں نقطہ کے علاوہ کچھ نہ تھا۔۔۔۔۔۔۔۔پلک جھپکی نقطہ تھا اور نہ روپ بہروپ۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

کھلی آنکھوں میں۔۔۔۔۔۔خود میں گم۔۔۔۔۔۔نہیں معلوم کس ناپید و کنار دریا میں ڈوبتا چلا گیا۔۔۔۔۔۔ڈوبتا چلا گیا، سر میں سیدھی طرف ایک لہر اٹھی۔۔۔۔۔۔جیسے آسمان پر بجلی کی کڑک اور بادل کی گرج۔۔۔۔۔۔بجلی کی کڑک اور بادل کی گرج سے الٹے دماغ میں دھماکہ ہوا۔ اس دھماکے سے سیدھے دماغ میں موجود کھربوں خلیے (Cells) آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے اور الٹے دماغ میں اس آتش فشاں کے پھٹنے سے خلیے (Cells) چارج ہو گئے۔

دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔!

جسمانی گوشت پوست کے بنے ہوئے بے اختیار انسان کے اندر کھربوں بااختیار صلاحیتیں اس بات کی منتظر ہیں کہ ان کا کھوج لگایا جائے اور ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔

نظر آیا!

آسمانوں سے بھی اس پار روشن اور منور انسان نورانی لہر میں لٹکا ہوا خلا میں معلق ہے اور یہ روشن انسان کھربوں سینکڑوں دائروں میں بند ہے۔ ہر دائرہ کائنات میں موجود ایک نوع اور ایک مخلوق ہے۔ ہر نوع اور ہر مخلوق اس روشن انسان کے دائرے سے وابستہ ہے اور یہ روشن انسان ہر نوع کے دائرے سے بندھا ہوا ہے۔

چاہتا ہوں کہ لکھتا چلا جاؤں مگر اندر کا عظیمی کہتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔خاموش ہو جا۔۔۔۔۔۔۔۔اور بس کر!

میری ماں

نوع انسان میں سے اسی ملک میں کسی قوم کسی برادری اور کسی کنبے کے ایک فرد نے زمین خریدی۔ زمین پر مکان بنانے کے لئے دماغ میں ایک نقشہ ابھرا۔ نقشہ میں شعوری حد بندیوں کے ساتھ ایک Plan بنا۔ پلان میں یہ بات سامنے آئی کہ اس پلاٹ کی تقسیم ایسی کی جائے کہ خاندان کے افراد آسائش و آرام پائیں۔ پلان کے مطابق کمرے بنے کمروں میں Attach Bathroom بنے، Kitchen بنا، Gallery، Corridor اور دروازوں سے مکان کو آراستہ کیا گیا۔

دھرتی پر ایک مکان بنانے کے لئے آدمی کو پلان کے کئی مراحل سے گزرنا پڑا تب خوبصورت مکان کی تعمیر ہوئی۔

بچپن کی بات ہے کہ میرے دادا کی حویلی کے سامنے غیر آباد زمین پر انار کا ایک درخت تھا۔ درخت میں گلنار سرخ رنگ پھول لگے تھے۔ بھری شاخوں اور ہرے بھرے پتوں سے درخت کا جوبن نکھر آیا تھا۔۔۔۔۔ میں انار کے اسی درخت پر پھولوں کو دیکھتا تھا۔۔۔۔۔ خوش ہوتا تھا۔ انار کلی میری توجہ کا بہت زیادہ مرکز بنتی تھی یاد نہیں۔۔۔۔۔ کتنے سال بیت گئے کہ میں وطن سے دور آوارہ خاک و گرد کہاں کہاں گھومتا رہا۔۔۔۔۔۔۔ کبھی میں کسی ساحل پر ہوتا اور کبھی ریگستان میں۔۔۔۔۔ کبھی بیابانوں میں اور کبھی مرغزاروں میں۔۔۔۔۔ میں نے مسجدوں میں اذانیں دیں۔۔۔۔۔ مندر میں آرتی پوجا دیکھی۔۔۔۔۔ گرجاؤں میں مقدس پانی سے بپتسمہ دیتے دیکھا۔۔۔۔۔ مزاروں پر جبیں سائی کی۔۔۔۔۔ شاہی مقبروں میں چمگادڑوں کا بسیرا دیکھا۔۔۔۔۔ پرانے قبرستانوں میں قبروں پر جانے والوں یا قبرستان میں مستقل سکونت کے لئے آنے والوں کے نام کندہ دیکھے۔۔۔۔۔ وہاں امیر، غریب، فقیر، بادشاہ سب کو مٹی ہوتے دیکھا اور اس مٹی پر لوگوں اور چرندوں کو چلتے پھرتے دیکھا۔ لیکن کہیں بھی مجھے وطن کی مٹی کی خوشبو نہیں آئی۔ وطن کی یاد آئی تو پھر خود کو دادا کی حویلی کے سامنے پایا۔

اب اس زمین پر انار کا درخت نہیں تھا۔ انار کلی تھی اور نہ سرخ رنگ گلنار تھا۔۔۔۔۔ مجھے جھٹکا لگا۔ انار کے درخت نے اپنے وجود کا احساس دلایا۔۔۔۔۔ میرے اندر انار کا جو سراپا تھا وہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔

میں نے سوچا کہ اس زمین پر انار کا درخت تھا۔ ظاہر ہے کسی نے لگایا ہوگا۔ بیج ڈالا ہوگا۔ بیج کسی نے نہ بھی بویا ہو تو ہوا میں اڑ کر زمین کی کوکھ میں سما گیا ہوگا۔ بہر حال یہ مسلمہ ہے کہ انار کا درخت بیج سے اگتا ہے۔ بیج کے بغیر انار کے درخت کا وجود زیر بحث نہیں آیا۔ جب انار کا وجود بیج کے اوپر قائم ہے تو کہا جائے گا کہ بیج میں انار کا پودا درخت ہوتا ہے۔ چھوٹے سے بیج کے اندر کتنی شاخیں ہوں گی، کتنے پھل لگیں گے، کیا رنگ ہوگا، سرخ گہرا سرخ یا سفید۔ کھٹا یا میٹھا ذائقہ یہ بھی بیج کے اندر کی Planning ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے Architect Engineer چھوٹے کاغذ پر بڑی بڑی عمارتوں کا نقشہ بنا دیتا ہے۔

کل زمین پر انار کا درخت تھا۔ آس پاس خوشنما گھاس تھی، کیاریوں میں پھول تھے۔ آج یہ زمین خالی، اجاڑ اور کانٹوں بھری سیج کیوں بن گئی ہے۔ جواب ملا کہ کسی نے بیج بویا تھا تعمیر مکمل کی تھی۔ کسی نے اس بیج کی Planning سے بنی ہوئی بلڈنگ (درخت) کو گرادیا۔۔۔۔۔۔

مجھے فوراً اپنی دادی اماں یاد آگئیں، سرخ و سفید، بٹوہ سا پوپلا منہ، غلاف جھکی آنکھیں، گلاب پنکھڑی لب۔ دماغ کی Screen پر ایسے نظر آئے کہ میں فلم دیکھ رہا ہوں۔ اس فلم میں، میں نے دیکھا کہ دادی اماں سفید براق کپڑے پہنے، سفید دھلے لٹھے کی چادر پر لیٹی ہوئی ہیں، منہ سے جھاگ اڑ رہے ہیں۔

میری ماں، ہائے! میری وہ ماں جس نے میرے اندر اپنا خون انڈیل کر مجھے پالا پوسا۔ دادی اماں کے سرہانے بیٹھی کلمہ کا ورد کر رہی ہیں۔ میں نے پوچھا اماں!۔۔۔۔۔۔ اماں!۔۔۔۔۔۔ دادی اماں بولتی کیوں نہیں، تم رو کیوں رہی ہو۔ ماں نے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا۔ میرے سر پر ہاتھ رکھا اور دادی اماں کے جھریوں سے مزین خوبصورت چہرے کو سفید ململ کے دوپٹے سے ڈھانک دیا۔

مجھے انار درخت پھر یاد آگیا۔ کسی نے اسے بھی اس طرح ڈھانپ دیا ہوگا اس لئے تو وہ زمین کے اوپر نہیں ہے۔

انار کے دانے کے بغیر درخت نہیں اگتا، اور آدمی کے بغیر آدمی نہیں اگتا۔ انار بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور آدمی بھی۔

میرے اندر کے آدمی نے کہا۔ جس نے درخت لگایا تھا وہ خوش ذوق، حسن سلیقہ سے آراستہ تعمیر پسند تھا۔ اور جس نے درخت کی حفاظت نہیں کی، درخت کو اس کے مادی وجود سے محروم کردیا وہ تخریب پسند تھا۔ یہ بات ہرگز قابل تسلیم نہیں کہ درخت خود بخود لگ گیا اور خود بخود غائب ہو گیا۔

انار کے بیج میں پورا Plan اور نقشہ موجود ہے رنگ اور ذائقہ بھی موجود ہے۔ مگر بیج کے اندر یہ صلاحیت کہ وہ خود بخود درخت بن جائے ذاتی وصف نہیں ہے کوئی غیر مرئی طاقت ہے جس نے ایک بہترین معمار کی طرح انار کے اندر شاخوں، پتوں اور پھلوں کی ترتیب قائم کی۔ خود انار کے اندر اتنی قدرت نہیں کہ وہ خوشبو بن جائے اور اپنے وجود کو مختلف ذائقوں مختلف رنگوں میں تقسیم کر دے، یہ Plan کائنات کے خالق احسن الخالقین اللہ نے تیار کیا جو جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ کائناتی تخلیق میں ایک تخلیق انسان کو اپنے کائناتی پلان کی تعمیر کے لئے معمار مقرر کیا یہ وہی معمار ہے جس کو قرآن نے فی الارض خلیفہ کہا ہے۔

عامل معمول

السلام علیکم!

وعلیکم السلام۔

آپ کا نام؟

محمود احمد۔

یہ نام کب رکھا گیا؟

اس وقت جب میں چند گھنٹوں یا ایک دن کا تھا۔

معاف کیجئے گا، کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں۔آپ کی عمر کتنی ہے؟

جی ہاں! میری عمر تقریباً ساٹھ سال ہے۔

کیا آپ وہی ہیں جو پیدائش کے وقت تھے؟

جی ہاں! میں وہی ہوں۔

اگر آپ کی پیدائش کے وقت کی یا چند سال کی عمر کی تصویر آپ کو دکھائی جائے تو کیا آپ اس تصویر کو پہچان لیں گے؟

یہ کیسی بے وقوفی کی بات ہے کوئی آدمی بھی پیدائش کے وقت کی یا چند سال عمر کی تصویر کو کیسے پہچان سکتا ہے۔

محمود احمد صاحب! آپ کی ہر چیز تبدیل ہوگئی ہے تو یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ آپ وہی محمود احمد ہیں جو ساٹھ سال پہلے تھے۔۔۔۔۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی شناخت آپ کے نام سے اس لئے ہے کہ آپ کا نام آپ کے دادا نے رکھا تھا یعنی آپ نے اپنے باپ کا معمول بن کر ساٹھ سال زندگی گزاری ہے۔

کمال مقصود صاحب! آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں؟

اچھا! آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں؟ اگر میں آپ کو یہ بات سمجھادوں تو آپ کو میرا معمول بننا پڑے گا۔

میں تیار ہوں۔

محمود صاحب۔ میں کون؟

عامل۔

تم کون؟

معمول۔

جو بولوں گا وہ آپ سنیں گے۔

جی ہاں سنوں گا۔

جو کہوں گا وہ آپ کریں گے۔

جی ہاں کروں گا۔

عامل: ادھر آیئے۔

معمول: آگیا۔

عامل: ادھر جایئے۔

معمول: چلا گیا۔

عامل: اوپر دیکھئے۔

معمول: جی ہاں، اوپر آسمان ہے۔

عامل: نیچے دیکھئے۔

معمول: جی ہاں، نیچے زمین ہے۔

عامل: آپ کون ہیں؟

معمول: میں، میں ہوں۔

عامل: میں کون ہوں؟

معمول: آپ، آپ ہیں۔

عامل: میں کہاں تھا؟

معمول: کب کہاں تھا؟

عامل: جب یہاں نہیں تھا۔

معمول: اچھا اب میں سمجھا۔ آپ اس دنیا سے اس پار دوسری دنیا کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ آپ دوسری دنیا میں تھے۔

عامل: محمود صاحب! آپ کہاں تھے؟

معمول: میں بھی اس دوسرے عالم میں تھا۔

عامل: وہ عالم کیا ہے؟ کیا وہاں کوئی رہتا ہے؟ وہ عالم تو ہے لیکن اس عالم میں مادی جسم نہیں ہے۔

معمول: حیرت کا مقام ہے کہ جسم نہیں ہے۔ جسم نہیں تھا تو وجود کیسے بنا۔

عامل: وجود کی تعریف کیا ہے؟

معمول: ہر ٹھوس چیز وجود ہے۔

عامل: ٹھوس پن کسے کہتے ہیں؟

معمول: ٹھوس چیز ٹھوس ہے۔

عامل: ٹھوس چیز خلاء ہے۔

معمول: خلاء کیا ہے؟

عامل: خلاء بساط ہے۔

معمول: جناب بساط کی کیا تعریف ہے؟

عامل: بساط ایک عالم ہے۔

معمول: عالم کی بساط کیا ہے؟

عامل: عالم کی بساط روشنی ہے۔

معمول: روشنی کیا ہے؟

عامل: روشنی نور ہے۔

معمول: کمال مقصود صاحب! گتھیاں نہ سلجھایئے۔ بات سیدھی اور صاف کیجئے۔ یہ بتایئے میں جب ''میں'' نہیں ہوں تو میری ذات کس طرح قائم ہے؟

عامل: میرے عزیز، میرے معمول، میرے دوست! اس کے عالوہ آپ اور میں کچھ نہیں ہیں۔ سب ایک دوسرے کے معمول ہیں۔ ایک فرد بیس ہزار نادیدہ مخلوق کا معمول ہے اور ہر فرد بیس ہزار آدمیوں پر عامل ہے یعنی انہیں کنٹرول کرتا ہے۔ اس بات پر اگر غور کیا جائے تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ ہر آدمی یہاں دوسرے آدمی کو Re-Act کر رہا ہے۔ Re-Act کرنا ہی دراصل معمول بن جاتا ہے۔ میں نے جب کہا السلام علیکم۔ آپ نے میرا اسلام سنا۔ سن کر کہا، وعلیکم السلام۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سلام کا جواب دینے والا معمول بن گیا۔

یہ ساری کائنات ایک ہستی جس نے ''کن'' کہا، کی معمول ہے۔ اور اس ہستی کے بنائے ہوئے قوانین جیسے جیسے کسی نے سیکھ لئے وہ علم کی بنیاد پر عامل ہے اور دوسرے سب معمول ہیں۔

کمال مقصود صاحب! آپ نے جو راز میرے اوپر منکشف کیا ہے میں نے سن تو لیا ہے مگر اس کی گہرائی میں جانے کے لئے مجھے مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔ کچھ وقت کے لئے مجھے اجازت دیجئے۔ میں اور زیادہ علم سیکھنے کے لئے آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہوں گا۔

دین فہم دانشور

دودانشور ایک جگہ بیٹھے باتیں کررہے تھے۔

ایک نے دوسرے سے سوال کیا۔

ہم وہی زبان کیوں بولتے ہیں جو ہماری ماں بولتی تھی۔ ہم کھانا اسی طرح کیوں کھاتے ہیں جس طرح ہمارے ماں باپ کھاتے تھے۔

ہمیں ہماری ماں جائی بہن اور مادر زاد بھائی زیادہ محبوب ہوتا ہے جب کہ ہمارے دوست بھی ہوتے ہیں اور وہ بہن بھائیوں سے زیادہ مخلص ہوتے ہیں۔

دوسرے دانشور نے جس کا نام دنیا فہم تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ کہا۔

''اس لئے کہ میں، میرا بھائی، میری بہن ایک Material سے بنے ہیں۔ ہمارا جسمانی وجود دیکھنے میں تو الگ الگ ہے لیکن فی الواقع ہمارے اندر ایک ماں کا خون دوڑ رہا ہے۔ ہمارے وجود کا ہر ایک حصہ ہر ہر عضو ماں کے خون سے تیار ہوا ہے۔۔۔۔۔''

ہماری مادری زبان اس لئے ہماری زبان ہے کہ ماں کے پیٹ میں بھی ہم نے وہ الفاظ سنے ہیں جو ماں بولتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔

پیدائش کے بعد ہمارے کان اسی آواز سے مانوس رہے ہیں جو الفاظ ماں کے دماغ سے لہروں کے ذریعے ہمارے کانوں میں منتقل ہوتے تھے۔۔۔۔۔ کھانا ماں کی طرح ہم اس لئے کھاتے ہیں کہ ماں ہمیں لقمے بنا کر کھلاتی تھی۔

دوسرا دانشور جس کا نام دین فہم تھا۔

گویا ہوا۔

میرا بھائی کیا تم یہ بتانا چاہتے ہو کہ یہاں ہر آدمی کی زندگی ایک کتاب کی طرح ہے۔۔۔۔۔ جس طرح ایک کتاب کے کوئی ابواب ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ کتنے ہی صفحے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ صفحات پر پیرے الفاظ حروف اور نقطے ہوتے ہیں۔

دنیا فہم ودانشور نے کئی بار آنکھیں کھولیں اور بند کیں پلک جھپکنے کے عمل اسے اس کے دماغ میں موجود اسکرین پر نہیں معلوم کب سے مدھم پڑ جانے والے نقوش ابھرے۔۔۔۔۔۔اور ان نقوش میں اسے اپنا بچپن لڑکپن جوانی طبیعت میں جولانی کا دور، جذبات سے پر زندگی کے واقعات نمایاں نظر آنے لگے۔اس نے دیکھا۔۔۔۔۔میں گوشت پوست کی ایک ننھی منی صورت ہوں۔

معصوم نرم اور مخملی پھول کی ایک تصویر۔۔۔۔۔ایسی تصویر جو کو اپنا پرایا ہر شخص محبت بھری مخمور نظر سے دیکھتا تھا۔۔۔۔۔پھر یہ تصویر نہیں معلوم کیوں بڑی ہوگئی۔ جیسے جیسے بڑی ہوئی تصویر میں پھول کا حسن کم ہوتا رہا۔۔۔۔۔معصومیت کی جگہ کرختگی آ گئی۔

جو لوگ دیکھ کر خوش ہوتے تھے وہ دور ہونے لگے۔

دنیا فہم دانشور نے کہا۔۔۔۔۔میں ادوار کی ستائی ہوئی ایک تصویر ہوں۔زمانے کی اونچ نیچ، خود غرض اور خود ستائش نے مجھے داغ داغ کردیا ہے۔۔۔۔۔۔

دین فہم دانشور بولا۔

میری بات سنو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں جب اپنی ماں کی پیٹ میں آیا۔۔۔۔۔پیٹ میں آنے سے پہلے دراصل میں اپنی ماں کے دماغ میں کتاب کے مسودے کی طرح تھا۔۔۔۔۔پھر اس مسودے کے بکھرے ہوئے اوراق ایک جگہ جمع ہوئے۔ پیدائش کے بعد تحریر بنی اور جذبات نے جب احساسات کا جامہ پہنا تو لفظ بنے اور جذبات احساسات کے چھوٹے بڑے تقاضوں نے حروف کی شکل اختیار کرلی۔

دنیا فہم دانشور نے یہ ساری گفتگو سن کر کہا۔

اے میرے دین فہم دانشور کیا تم یہ بتانا چاہتے ہو کہ لمحات سیکنڈ منٹ گھنٹے دن رات مہینے اور سالوں کی تقسیم انسانی زندگی کی ایک کتاب ہے؟

دین فہم دانشور نے نعرہ تحسین بلند کرتے ہوئے کہا۔ہاں بے شک! زمین پر پیدا ہونے والا ہر بچہ ایک کتاب ہے اور اس کے اوراق اور تحریر اس کی زندگی ہے۔

میرے دوست! کتاب کا پہلا ورق وہ ہے جس دن میں پیدا ہوا۔ کتاب کا آخری ورق وہ ہے جب میری کتاب کرم خوردہ ہوکر ختم ہو جائے گی۔

دنیافہم دانشور میرے عزیز!

میں اس کتاب میں وہ سب کچھ لکھ رہا ہوں جو میں کرتا ہوں۔ جو میں سوچتا ہوں۔ جو میں سنتا ہوں یا کسی کو سناتا ہوں۔

دنیافہم دانشور میرے دوست!

یہ کتاب میری ذاتی خفیہ ڈائری ہے۔اس میں وہی کچھ لکھا ہوتا ہے جو میں لکھتا ہوں اس کتاب میں ایک نقطہ لگانے کا بھی کسی دوسرے کو اختیار نہیں۔اس کتاب کا منصف میں خود ہوں اس کتاب کو پڑھنے والا بھی میں خود ہوں۔ میں نے یہ کتاب خود اپنی کاوش سے لکھی ہے۔۔۔۔۔۔لیکن جب قلم خشک ہو جائے گا میں اپنی لکھی ہوئی اس کتاب میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتا۔

ایک حروف بھی اس خود نوشت کتاب میں سے قلم زد نہیں کر سکتا۔

دنیافہم دانشور۔۔۔۔۔۔۔۔گھبرا کر بولا۔

یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔میں اپنی کتاب خود کیوں لکھ رہا ہوں۔میں اتنا مجبور اور بے بس کیوں ہوں کہ اپنی لکھی ہوئی تحریر میں ایک حرف کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ایک نقطہ حذف نہیں کر سکتا۔

دین فہم دانشور نے کہا۔

جس نے میرے باپ میری ماں میرے باپ کے باپ اور میری ماں کی ماں کو پیدا کیا ہے اور انہیں اپنی کتاب حیات لکھنے کا اختیار دیا ہے۔۔۔۔۔۔وہ ہستی چاہتی ہے کہ اس کی بنائی ہوئی تصویر خوشنمار ہے، تصویر بد نمانہ ہو اور جب کوئی تصویر خود کو بد نما اور بدہیئت بنا لیتی ہے تو وہ ہستی ناخوش ہو جاتی ہے ۔۔۔۔۔۔خوشی اور ناخوشی بھی ایک تحریر ہے۔ وہ ہستی چاہتی ہے کہ کتاب حیات خوبصورت خوشنمار ہے اور داغ دھبوں سے پاک ہو۔۔۔۔۔۔اور جب تصویر کتاب حیات کو خراب کر دیتی ہے تو کتاب کے اوپر لکھی ہوئی تحریر بھی خراب ہو جاتی ہے۔ یہاں اور وہاں دونوں جہاں میں عذاب بن جاتی ہے۔

وہ ہستی چاہتی ہے کہ تصویر کو خراب نہ کیا جائے تصویر کی پھول جیسی معصومیت برقرار رہے۔ چہرے کا نکھار فرشتوں کا حسن بنا رہے۔

یہ سب باور کرانے کے لئے اس ہستی نے جو تصویر کا خالق ہے۔۔۔۔۔۔ہمیں بتایا ہے:

"وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں طرح طرح کی تصویر کشی کرتا ہے۔"

(القرآن)

تصویر کے خالق نے اپنے پاس سے ایک کتاب لکھ کر دی ہے جس میں تمام ہدایات جمع کر دی ہیں۔

"پڑھ اپنی کتاب۔۔۔۔۔۔آج اپنے اعمال کا جائزہ لینے کے لئے تو خود ہی کافی ہے۔

(القرآن)

جن لوگوں نے اپنی کتاب زندگی کی حفاظت نہیں کی اور اپنی خوبصورت تصویر کو خراب کر دیا ان کے لئے تصویر کا خالق اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

وہ کیسا دن ہو گا جب تم لوگ پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی راز چھپا نہیں رہے گا۔اس وقت جس کا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اور دیکھو۔پڑھو میرا نامہ اعمال۔ میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے۔پس وہ دل پسند عیش میں ہو گا اونچے باغ ہیں جس کے میوے جھک رہے ہیں مزے سے کھاؤ پیو اپنے ان نیک اعمال کے صلہ میں جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کئے ہیں۔

(الحاقہ ۲۴۔۱۸)

محبوب بغل میں

نہایت عزیز بہت پیارے دوست۔ محترم رفیق

السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔

اس سے پہلے بھی آپ کے خط کا جواب لکھ چکا ہوں امید ہے موصول ہو چکا ہو گا۔ آج سے کچھ باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔

یہ جو روحانی سلسلہ ہے، بڑا عجیب اور مشکل راستہ ہے۔ جب آدمی تھوڑا سا سفر طے کر لیتا ہے تو اس کے اوپر شکوک و شبہات اور مایوسی کے خیالات غالب آنے لگتے ہیں۔ شیطان اپنا زور اس بات میں لگا دیتا ہے کہ بندہ ناخوش ہو جائے۔ ناخوشی کے لئے شیطان جو خود کار ہتھیار استعمال کرتا ہے وہ انا کا خول ہے۔ یعنی آدمی اپنی انا میں سمٹنے لگتا ہے۔ وہ جو سوچتا ہے اپنی ذات، اپنی انا اور اپنی انفرادیت شخصیت کے بارے میں قیاس کرتا ہے۔ اللہ کے لئے ذرا سا کچھ کام ہو جائے تو اسے بہت بڑا کارنامہ قرار دیتا ہے۔ اور اس کمزوری کی وجہ سے اللہ سے اپنے حقوق قائم کر دیتا ہے۔ یہ بات ذہن سے نکل جاتی ہے کہ اللہ نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ ایک ہفتے پہلے کی بات ہے کہ ایک کروڑ پتی شخص نے کہا میرا دوست اللہ سے باغی ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے اس کی دعا قبول نہیں کی۔ اس نے دعا کی تھی کہ اس کا باپ زندہ رہے، لاکھوں روپے علاج پر خرچ کر دیئے مگر باپ مر گیا۔ اب وہ ہر وقت شراب و کباب میں مست و بے خود رہتا ہے۔

میں نے جواب دیا کہ اول تو یہ دعا ہی غلط تھی۔ تم نہیں مرو گے تو تمہاری کرسی پر تمہارا بیٹا کیسے بیٹھے گا۔ مرنا جینا دونوں کام اس قدر یقینی ہیں کہ ان سے کسی بھی طرح چھٹکارا نہیں۔ آپ مجھے یہ بتائیں۔ تمہارا دوست جس گھر میں رہتا ہے۔ اس گھر کی زمین کی قیمت اس نے اللہ کو کتنی دی ہے۔ جو سرمایہ لئے بیٹھا ہے وہ کس نے دیا ہے۔ اگر وہ پیدائشی طور پر کمزور دماغ ہوتا یا اس کے ہاتھ پیر ہی نہ ہوتے، وہ ایک بھکاری اور مفلوک الحال کا بیٹا ہوتا تو شراب کہاں سے پیتا۔

میرے عزیز! آپ نہات خوبصورت روح اور دلکش ذہن کے انسان ہیں۔ اور یہ دلکشی، یہ خوبصورتی آپ کا کوئی کارنامہ نہیں ہے۔ اللہ نے آپ کو اس طرح کا بنایا ہے۔

مایوسی اور پریشان خیالی راستہ کی چیزیں ہیں۔ جب کوئی مسافر سفر کے لئے نکلتا ہے تو اسے طوفانوں گرد و غبار اور تھکان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ صحیح مسافر وہ ہے جو منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ اس کا مقصد منزل کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ اور منزل چونکہ سامنے نہیں آتی۔ اس لئے وہ ہر حال میں چلتا رہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ پریشان کن خیالات سے نکل آئیں گے جو اس راستہ میں سب کو پیش آتے ہیں۔ آپ نے مجھے استاد بنایا ہے۔ میں نے بھی آپ کو آنکھوں کی روشنی بنا کر قبول کیا ہے۔ میرے اوپر فرض ہے کہ میں آپ کے راستہ کی بھول بھلیوں سے آگاہ کرتا رہوں۔ آپ کا یہ فرض ہے کہ آپ منزل کے علاوہ کسی بڑی اور چھوٹی یا عارضی شئے کو قبول نہ کریں۔ منزل جب مل جاتی ہے تو ہر شئے منزل رسیدہ شخص کے سامنے خود بخود جھک جاتی ہے۔ میرے تصور میں جب آپ کا ہنستا مسکراتا چہرہ، ٹینشن کی صورت میں بن جاتا ہے تو میں بے چین ہو جاتا ہوں۔ اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ خوش رہنے والے لوگ ہی اللہ کے دوست بن سکتے ہیں۔ ناخوش رہنے والے لوگوں کو اللہ اپنا دوست نہیں بناتا۔

آپ جانتے ہیں کہ یہاں دنیا میں کوئی آپ کا اور میرا نہیں ہے۔ کوئی ہمیں چھوڑ جائے گا اور زیادہ کو ہم چھوڑ جائیں گے۔ ہمارا آخری سرمایہ، دو گز قبر ہے۔ وہ بھی اس وقت جب ہمیں مل جائے۔ ہمارا جسمانی نظام، قبر کے اندر کیڑوں کی خوراک ہے۔ ہماری انا، مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور انا کے ذرات کو آدمی، کتے، بلیاں، گدھے، گائے، بھینس اپنے پیروں میں روندتے پھرتے ہیں۔

کتنے بڑے بڑے بادشاہوں کے سر اور ان کے تاج کتنے بڑے بڑے نمرود، فرعون، شداد، قارون ہو گزرے ہیں۔ زمین نے انہیں نگل لیا اور مٹی کے ذرات میں تبدیل کر دیا اور آج ان نمرودوں، فراعین، شدادوں اور قارونوں کے دماغوں اور جسموں سے بنے ہوئے مٹی کے ذرات پر ہم چل پھر رہے ہیں۔ تھوک رہے ہیں اور ان ذرات کو اپنی غلاظت سے خراب کر رہے ہیں۔

میرے دوست!

میں نے جوانی میں ایک واقعہ پڑھا تھا۔

ایک آدمی نے اپنی انا کے خول میں بند بہت ریاضت لی۔ اپنی دانست میں اللہ کے کاموں کو آگے بڑھایا۔ لوگوں سے مانگ مانگ کے معابد بنائے۔ خود بادشاہوں کی طرح زندگی گزاری اور اللہ کی مخلوق کو سوکھی روٹی دے کر خوش ہو گیا۔ شعوری دنیا سے نکل کر جب لاشعوری دروازہ پر دستک دی تو حضرت ابلیس نے استقبال کیا۔ خوش پوشاک، دراز ریش، بزرگ کے روپ میں ابلیس نے کہا۔ آپ کی داد عیش، خیرات، عبادت و ریاضت اللہ کو پسند آگئی ہے۔ آپ کو آسمانوں کی سیر کرائی جاتی ہے۔ انا کے خول میں بند آدمی نے آنکھیں موند لیں اور سیر شروع ہو گئی۔ پستی سے بلندی کی طرف پرواز ہوئی اور پھر بلندی سے پستی کی طرف نزول ہوا۔

آنکھ کھلی تو ایک کوڑے پر جہاں تعفن، بدبو اور غلاظت کے سوا کچھ نہیں تھا وہ آدمی لتھڑا ہوا پڑا تھا۔

حضور قلندر بابااولیاء رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بندہ جب اللہ کے لئے قدم اٹھاتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ میں نے اللہ کے اوپر احسان کر دیا ہے۔ وہ کیوں نہیں سوچتا کہ اللہ نے اسے نو مہینے ماں کے پیٹ میں روزی فراہم کی، پیدائش کے بعد ۲ سال تک بلا مشقت غذا کا اہتمام کیا، ہوا پانی آکسیجن زندگی کے سارے وسائل فراہم کئے۔ بندہ سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ صحت دی اولاد دی عزت و وقار دیا کاروبار کرنے کے لئے عقل دی۔ بندہ پیدا ہونے کے بعد ستر (۷۰) اسی (۸۰) سال جیتا ہے۔ اللہ کی زمین پر دندناتا پھرتا ہے۔ سرکشی کرت ہے۔ اللہ کو کچھ نہیں جانتا۔ اللہ کے پھیلائے وسائل کی اللہ سے زیادہ قیمت لگاتا ہے۔ پھر بھی اللہ اسے ہر قدم پر یاد رکھتا ہے۔

میرے دوست!

میں بھی آپ کی طرح کا ایک آدمی ہوں۔ یہ سب کچھ میں نے اس لئے لکھ دیا ہے کہ میرے مرشد کریم کی عنایات سے چند حقیقتیں مجھ پر منکشف ہو گئی ہیں۔ جن حقیقتوں کو میں جان گیا ہوں، چاہتا ہوں کہ آپ بھی ان حقیقتوں سے تعلق قائم کر لیں۔

راستہ چلتے ہوئے مسافر کے لئے یہ آسان ہے کہ وہ بے یقین ماحول کا اثر لے کر راستہ چھوڑ دے لیکن ایک بار مسافر راستہ بھٹک جائے تو اسے دوبارہ رہنمائی نہیں ملتی۔

میرے فرزند!

آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کو کتنا چاہتا ہوں۔ مجھے بھی یہ علم ہے کہ آپ مجھے کتنا پیار کرتے ہیں۔ ہم دونوں ادراک کے مسافر ہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ایک مسافر ایک منزل آگے ہو دوسرا مسافر ایک منزل دور ہو۔ راستے کے دونوں مسافر اس وقت منزل کا نشان پائیں گے جب وہ چلتے رہیں اور راستہ کھوٹا نہ کریں۔

میری زندگی ایک وقت تھا کہ شکوک و شبہات بے یقینی اور وسوسوں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ یقین کے راستے پر قدم بڑھایا تو وسوسوں اور بے یقینی کا طوفان میرے اوپر حملہ آور ہوا۔۔۔۔۔۔ میں نے کہا۔ اس کا بدل مجھے کیا ملا۔ میں نے اتنا طویل عرصہ اللہ کو پکارا، اللہ نے جواب کیوں نہیں دیا۔ راتیں آنکھوں میں سمیٹ لیں، کوئی کشف کیوں نہیں ہوا۔ مرشد کے اوپر میرا یہ حق ہے وہ حق ہے، مجھے کیا دیا۔ سلسلہ کے لئے میں نے خود رات دن ایک کر دیئے، سلسلہ سے مجھے کیا ملا۔ فلاں آدمی کیوں نواز دیا گیا۔ مجھے کیوں محروم رکھا گیا۔

حضور قلندر باباؒ اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے نام جتنے خطوط آتے تھے مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں خطوط پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ جواب بھی میں لکھتا تھا۔

ایک روز میں نے عرض کیا۔ حضور میں آپکے اوپر قربان۔ کیا میرے اندر اتنی صلاحیت بھی نہیں ہے جتنی ان صاحب کے اندر ہے، جن کا خط میں نے پڑھا ہے۔

حضور فرماتے۔ نہیں تمہارے اندر صلاحیت نہیں ہے۔

کبھی میں سوچتا کہ یہ صاحبہ ماشاءاللہ کتنی اچھی سیر کرتی ہیں، آسمانوں میں اڑتی پھرتی ہیں۔ کیا میں ان سے بھی گیا گزرا ہوں۔

فرماتے۔ ہاں۔

جب پانی سر سے اونچا ہو گیا اور میرے اوپر مایوسی کے دورے پڑنے لگے۔ شیطان نے مجھے اپنا آلہ کار بنالیا تو ایک دن مرشد کو رحم آیا۔

فرمایا۔ خواجہ صاحب بیٹھ جائیں۔

پوچھا۔ میرا آپ کا رشتہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا۔

آپ کا غلام ہوں۔ فرمایا یہ تو ٹھیک ہے۔ میں تمہارا کیا لگتا ہوں۔

میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ حضور آپ میرے محبوب ہیں۔

مسکرا کر فرمایا۔ لیجئے یہ تو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔ اب آپ یہ بتائیں کہ جب محبوب بغل میں ہو تو کیا کوئی اور خیال آتا ہے اور اگر آتا ہے تو یہ محبوب کی توہین ہے۔ اس لئے کہ محبوب کی ہم آغوشی کے بعد اگر کوئی خیال آتا ہے تو دراصل وہ محبوب ہے جس کا خیال آرہا ہے۔ آپ جنت دیکھنا چاہتے ہیں۔ آسمانوں میں پرواز کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کا محبوب میں کس طرح ہوا۔ آپ کا محبوب جنت ہے، پرواز ہے، کشف و کرامات ہے۔

میرے ہمدم! آپ یقین کریں میں لرز گیا اور میری آنکھیں بھیگ گئیں۔ دل کی دنیا ماتم کدہ بن گئی۔ تھکے قدموں سے اٹھا اور مرشد کے پیروں پر سر رکھ کر رو یا کہ مرشد کریم نے ایک آہ بھری اور مجھے اپنے سینہ سے لگالیا۔ محبوب کے وصل کی لذت آج بھی

میرے اندر زندہ ہے۔ اور یہی وہ لذت وصل ہے جو مجھے دن رات بے قرار کئے ہوئے ہے۔ میں اس لذت کی تلاش میں کہاں کہاں نہیں پہنچا۔

میں نے جنت کا ایک ایک گوشہ دیکھا۔ آسمانوں کی رفعتوں میں فرشتوں کے خوشنما صفاتی پروں کا جمال دیکھا۔ ملائے اعلیٰ کے قدسی اجسام میں تجلی کا عکس دیکھا۔ دوزخ کے طبقات میں گھوم آیا۔ موت کو دیکھا۔ موت سے پنجہ آزمائی کی۔ وہ کچھ دیکھا جن کے لئے الفاظ نہیں ہیں کہ بیان کر دیا جائے لیکن۔۔۔۔۔۔ مرشد کے وصل کی لذت نہیں ملی۔ ہر لمحہ مرنے کے بعد اس لئے جیتا ہوں کہ مرشد سے قربت ملے گی۔ جینے کے بعد ہر آن اس لئے مرتا ہوں کہ مرشد کا وصال نصیب ہو گا۔

اندر جھانکتا ہوں مرشد نظر آتے ہیں۔ باہر دیکھتا ہوں مرشد کی جھلک پڑتی ہے۔

ہائے وہ کیسی لذت وصل تھی کہ زمانے گزرنے کے بعد بھی روح میں تڑپ ہے، اضطراب ہے، انتظار ہے۔ اس یقین کے ساتھ زندہ ہوں، اس یقین کے ساتھ مروں گا، اس یقین کے ساتھ دوبارہ زندہ رہوں گا کہ مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ مجھے ایک بار اپنے سینے سے لگائیں گے اور مجھے اس طرح اپنے اندر سمیٹ لیں گے کہ میرا وجود نفی ہو جائے اور کوئی یہ نہیں جان سکے گا کہ مرشد اور مرید دو الگ الگ پرت ہیں۔

روحانی راستے کے مسافر میرے فرزند، میں آپ کو چند سطریں لکھنا چاہتا تھا۔ مگر میرے اندر مرشد کریم کی محبت کا کارفرما ہوا طوفان برملا ظاہر ہو گیا اور میں داستان جنون لکھتا گیا۔ خدا کرے میرا جنون آپ کا جنون بن جائے۔

(آمین)

پرندے

بچپن گزرا، جوانی آئی۔ جوانی گئی، بڑھاپا آیا، تیز گام بڑھاپا اب نامعلوم مگر معین سمت میں بھاگ رہا ہے۔ آدھی صدی سے زیادہ سالوں سے جسے میری دنیا ماضی کے نام سے جانتی ہے میرا عدم وجود بنا۔۔۔۔۔۔۔۔

پھر اس وجود نے پھیلنا اور بڑھنا شروع کیا۔ ننھی سی جان، زور آور سمجھی جانے لگی۔ معصوم، کومل تصویر کے نقوش میں تیکھا پن آ گیا۔ زبان نے تکلم کیا تو یہ سراپا کلیم بن گیا۔ منٹوں تک پلک نہ جھپکنے والی آنکھ بار بار جھپکنے لگی۔ سریلی آواز سے آشنا کان، کرخت آواز سے مانوس ہو گئے۔ جسم میں پانی کی جگہ خون دوڑنے لگا۔

خوشبودار پسینہ بدبو میں تبدیل ہو گیا۔ لطیف نورانی غذا کثافت بن گئی۔ خوش روی تند خوئی میں تبدیل ہو گئی۔ گوشت جو دراصل درندوں کی غذا ہے آدمی کے لئے مرغوب بن گیا۔

ایک آدمی تھا، ایک پرندہ تھا۔ آدمی نے پرندے کی زندگی کو پرکھا اور پرندے نے آدمی کی زندگی پر غور کیا۔ دونوں کی سوچ جب ایک نقطہ پر آ گئی اور دونوں سوچیں باہم دگر مل گئیں یعنی جان سے جان مل گئی۔۔۔۔۔ جان، جان سے ملی تو پرندے اور انسان کی مشترک قدریں ایک دوسرے میں تحلیل ہو گئیں۔

ایک سوداگر تھا۔۔۔۔۔ اس نے انسانی وقار کو مجروح کر کے آدمیت کے روپ میں، دولت اور عقل کے زعم پر ایک طوطا خریدا۔ مشترک قدر، قیمت و نطق سے دونوں کے اندر انتقال خیال کا عمل جاری ہوا۔۔۔۔۔ دونوں ایک دوسرے کی زبان سمجھنے لگے اور ایک دوسرے سے باتیں کرنا مشغلہ بن گیا۔

طوطا اپنا نسب نامہ سناتا تھا کہ میں آزاد پنچھی تھا۔ اپنے قبیلے اور قوم کے ساتھ فضاؤں اور آسمانی وسعتوں میں پرواز کرتا تھا۔ باغوں میں سے پھل کھاتا تھا۔ ہری بھری شاخوں پر جھولا جھولتا تھا۔

قسمت کا مارا، اپنے قبیلے اور قوم سے بچھڑ گیا۔ بھوکا پیاسا ادھر سے ادھر اڑتا پھرتا تھا کہ ایک جگہ زمین پر دانہ پڑا ہوا دیکھا۔ بلندیوں کا مکین، اعلیٰ غذاؤں سے پیٹ بھرنے والا، میں پنچھی، دانہ دیکھ کر صبر نہ کر سکا۔ اونچی پرواز بھول کر نیچی اڑان سے اسفل میں گرتا چلا

گیا۔۔۔۔ابھی زمین پر پوری طرح پنجے بھی نہیں لگے تھے اور میں نے شکم سیری کے لئے ایک نوالہ منہ میں نہیں ڈالا تھا کہ دھوکے باز انسان نے رسی کو جھٹکا دیا اور میں جال میں قید ہو گیا۔بہت پھڑ پھڑایا۔آزاد ہونے کی کوشش کی مگر میرا کچھ بس نہ چلا۔

اس دھوکے باز انسان نے بھوکا رکھ کر پنجرے میں محبوس کر کے بالجبر مجھے اپنی زبان سکھائی اور جب میں نے اس بدنیت انسان کی زبان سیکھ لی تو اس نے بڑے مول تول سے مجھے تیرے ہاتھ بیچ دیا۔۔۔۔۔

اے میرے محسن! تو نے میری قیمت لگائی ہے لیکن میں خوش نہیں ہوں۔اگر تجھے میری طرح قید کر دیا جائے تو کیا خوش ہو گا؟

سوداگر نے طوطے کی باتیں سنیں تو خوش ہوا اور اس کی قیمت اس کے ذہن میں دوچند ہو گئی۔مہینوں کے بعد سال گزرا تو سوداگر کو ملک سے باہر جانا پڑا۔سوداگر نے طوطے سے کہا کہ میں ملک سے باہر جا رہا ہوں تیرا کوئی کام ہو تو بتا۔

طوطے نے کہا۔اے میرے محسن! جب تو کسی باغ سے گزرے اور وہاں ان طوطوں کو دیکھے تو ان سے میرا اسلام کہنا۔اور کہنا تمہارا ایک بھائی قید و بند کی زندگی گزار رہا ہے اور تمہیں یاد کرتا ہے۔

سوداگر سفر میں جب ایک باغ سے گزرا تو اس نے وہاں بہت سارے طوطوں کو دیکھا جو آزادی کے ساتھ اڑ رہے تھے اور طرح طرح کی بولیاں بول رہے تھے۔سوداگر نے طوطوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا، تمہارے ایک بھائی طوطے کا پیغام ہے اور اس نے طوطے کا پیغام من و عن سنا دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے درخت سے ایک طوطا گرا اور پھڑ پھڑا کر موت کی نیند سو گیا۔سوداگر کو بہت قلق ہوا اور افسوس کرتا ہوا وہاں سے چل پڑا۔

سفر سے واپس آنے کے بعد سوداگر جب اپنے گھر پہنچا تو اس نے پنجرے میں بند طوطے کو ساری روئیداد سنائی۔روئیداد کا سننا تھا کہ طوطا پنجرے میں گرا اور پھڑ پھڑا کر مر گیا۔سوداگر بہت رنجیدہ ہوا اور پنجرہ کھول کر نہایت افسوس کے ساتھ طوطے کو باہر پھینک دیا۔ابھی سوداگر افسوس ہی کر رہا تھا کہ طوطا ٹیں ٹیں کرتا ہوا اڑا اور درخت پر جا بیٹھا۔

سوداگر نے حیرانی کے عالم میں طوطے سے کہا کہ تو بہت بے وفا نکلا۔بتا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟

طوطا بولا! جنگل میں میرے قبیلے کے ایک دانشور طوطے نے مجھے یہ پیغام بھیجا کہ آزادی دو طرح نصیب ہوتی ہے۔

ا۔اس طرح کہ قبیلہ متحد رہے اور اجتماعی جدوجہد سے اپنی آزادی کا تحفظ کرے۔

۲۔ اگر کوئی اپنے قبیلے سے بچھڑ جائے اور قید ہو جائے تو اس کے لئے آزادی کا طریقہ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنی جان ایثار کر دے اور آزادی کے تحفظ کے لئے مر جائے۔

میں نے اپنے قبیلے کے دانشور بزرگ کا پیغام سمجھ لیا اور میں اس کی نصیحت پر عمل کر کے آزاد ہو گیا۔

خداحافظ

ٹیں، ٹیں، ٹیں، ٹیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کانفرنس

اللہ کی مہربانی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت اور سیدنا قلندر باباؒ اولیاءؒ کے فیض سے مانچسٹر برطانیہ میں اگست ۱۹۹۲ء میں تیسری بین الاقوامی روحانی کانفرنس منعقد ہوئی۔

کانفرنس کے بعد پہلے اتوار کو مراقبہ ہال مانچسٹر سے میری روانگی گلاسگو ہوئی۔ گلاسگو اسکاٹ لینڈ میں انگلش خواتین و حضرات نے اپنے لئے ایک ہال بک کروایا تھا جس میں میری تقریر تھی، داخلہ ٹکٹ سے تھا۔ دو سو پچاس ٹکٹ جاری ہوئے لیکن جب ہجوم بڑھا تو منتظمین نے مزید لوگوں کو ہال کی دیواروں کے ساتھ کھڑے ہونے کی اجازت دے دی۔

تقریر کے بعد سلسلہ عالیہ عظیمیہ کے طریقہ کار کے مطابق حاضرین کو سوالات کی دعوت دی گئی اور اس طرح سوال و جواب کی خوبصورت مجلس ہوئی۔ یہ دیکھ کر بہت زیادہ حیرت ہوئی کہ مغرب میں یہ تاثر عام ہے کہ روحانیت صرف ہندوؤں کے پاس ہے۔

مسلمان روحانیت نہیں جانتے اور نہ ہی ان کے پاس روحانی علوم کا کتابی شکل میں کوئی ذخیرہ ہے۔ سوال و جواب کی نشست میں جو کچھ پوچھا گیا وہ سب یوگا، گیان، دھیان اور ہندومت کی معرفت تھا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ مسلمانوں کے پاس بھی روحانیت اور تصوف کے علوم کا ذخیرہ ہے۔ مگر جب ڈھیروں انگلش کتابیں، یوگا اور دوسرے مذہب کے اوپر وہاں موجود ہوں تو یہ کہنا کہ ہم بھی تصوف جانتے ہیں مضحکہ خیز بات معلوم ہوئی۔ بہر کیف سلسلہ عظیمیہ کے ارکان کی محنت، کوشش اور وقت کے ایثار و قربانی سے اتنا ضرور ہوا کہ انگلینڈ میں ہم ایک انگلش مراقبہ ہال قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کامیابی کے نتیجہ میں وہاں کی روحانی تنظیمیں، روحانی چرچ اور پیرا سائیکالوجی پر ریسرچ کرنے والے سائنٹسٹ سے ملاقاتیں ہوئیں۔

ایک بڑی Spiritual لیڈی اور ایک پروفیسر جو 30 سال سے ری انکارنیشن پر ریسرچ کر رہے ہیں تشریف لائے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو آدمی مر جاتا ہے وہ دوبارہ کسی نہ کسی جسم میں جنم لیتا ہے۔ اس مسئلہ پر تقریباً ایک گھنٹہ سے زیادہ گفتگو ہوتی رہی نتیجہ کیا نکلا یہ اللہ جانتا ہے لیکن پروفیسر صاحب نے رخصت ہوتے وقت یہ کہا کہ ۔۔۔۔۔۔۔۔

”مجھے ایک نیا علم (Knowledge) ملا ہے اور میں ریسرچ میں اس علم سے استفادہ کروں گا۔“

آیئے! اب ہم وہ گفتگو کرتے ہیں جو Spiritual لیڈی، پروفیسر رائے اور خواجہ شمس الدین عظیمی کے مابین ہوئی۔

اسپر یچول لیڈی نے گفتگو کا آغاز کیا۔

ہیلو مسٹر شیمس آپ کیسے ہیں؟

مجھے خوشی ہے کہ میں آپ کے پاس کچھ سیکھنے آئی ہوں۔۔۔۔۔۔میرے ساتھ پروفیسر رائے ہیں۔یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں اور ایک سائنٹسٹ ہیں۔ تیس سال سے ری انکارنیشن پر ریسرچ کررہے ہیں۔میں نے آپ کو ابھی ایک پھول دیا۔میں چاہتی ہوں کہ آپ بتائیں کہ یہ پھول میں نے آپ کو کیوں دیا۔

جواب میں کہا گیا۔۔۔۔۔۔

آپ نے یہ پھول اس لئے دیا ہے۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔اسپر یچول لیڈی نے شکریہ ادا کیا۔

پروفیسر صاحب بولے۔۔۔۔۔۔

میں ایک طالب علم ہوں۔آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔میرا سوال ہے کہ میں جب کالج اور یونیورسٹی میں پڑھاتا تھا تو مجھے بہت یاد تھا مضامین یاد تھے کتابوں کے نام یاد تھے کتابوں میں ورق اور اوراق کے اوپر پوری پوری سطریں ازبر تھیں اب جب کہ میں پروفیسر ہوں پڑھاتا ہوں مجھے کچھ یاد نہیں۔

جواب میں عرض کیا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

طالب علمی کے زمانے میں اگر یاد نہ رکھا جائے تو طلبہ یا طالبات اگلی کلاسوں میں نہیں جا سکتے۔لیکن جب علم کے کسی شعبہ میں تکمیل ہو جاتی ہے اس تکمیل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دماغ کے اندر وہ خلیے جو علم سے بھرے ہوئے ہیں کھل جاتے ہیں۔اب الفاظ سطروں یا اوراق کو یاد رکھنا ضروری نہیں ہوتا اس لئے کہ علم کے متعلق خلیہ کھل چکے ہیں۔خلیے کھل جانے سے ایک ایسا پیٹرن بن جاتا ہے جس پیٹرن میں مفہوم کے ذخیرے ہوتے ہیں اور مفہوم کا ذخیرہ اگر کسی طالب علم کے ہاتھ لگ جائے تو پھر اس ذخیرہ کی بنیاد پر نئے علوم سامنے آتے ہیں اور ان علوم کی بنیاد پر نئے نئے فلسفے بنتے ہیں۔فلسفوں کی بنیاد پر نئے نظریات وجود میں آجاتے ہیں کیونکہ آپ بہت بڑے اسکالر ہیں، سائیکالوجی کے استاد ہیں اور آپ کے دماغ کے اندر سیلز نہ صرف چارج ہوئے ہیں بلکہ ان کی روشنی کا انعکاس براہ راست آپ کے ذہن میں منتقل ہوتا رہتا ہے اس لئے آپ کو کتاب یا مضمون یاد رہنا ضروری ہے اور اس طرح گفتگو کا سلسلہ طویل ہوتا چلا گیا۔

ری انکار نیشن کے بارے میں پروفیسر کا اصرار اس بات پر تھا کہ میری اور میرے ساتھی پروفیسروں کی ریسرچ سے ڈھائی ہزار اکیس سامنے آئے ہیں جنہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ پہلے پیدا ہو چکے ہیں اور یہ اعداد و شمار یورپ کے ترقی یافتہ ممالک کے ہیں جہاں بچوں کی باتوں کو سنا جاتا ہے اور اہمیت دی جاتی ہے اس کے برعکس ایشیاء اور ترقی پذیر ممالک میں بچے اگر اپنی عمر سے زیادہ کوئی بات کرتے ہیں تو ان کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اگر ایشیائی ممالک میں بچوں کی ذہنی افتاد طبیعت کی حوصلہ شکنی نہ کی جائے تو ری انکار نیشن کی ریسرچ کا حاصل کافی زیادہ ہو جائے گا۔

جواب: ری انکار نیشن ایک آدمی کا پیدا ہو کر دوبارہ اسی طرح پیدا ہونا یونیورسل لاء (Universal Law) کے خلاف ہے۔

کائنات قانون ہم نہیں جانتے ہماری ریسرچ ہمارے سامنے ہے۔ ڈھائی ہزار کیس ہمارے سامنے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم دوبارہ پیدا ہوئے ہیں۔ ہمارا نام یہ ہے، ہم فلاں گھر میں رہتے تھے، بیوی کا نام یہ ہے، بچوں کے نام یہ ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ اگر پچاس سال پہلے مرے ہوئے آدمی کے ہاتھ پر کٹ کا نشان تھا اس بچے کے ہاتھ پر بھی کٹ کا نشان موجود ہوتا ہے۔

جواب: آپ کی ریسرچ میں جو لوگ سامنے آئے ہیں وہ کس عمر میں یہ سب بیان کرتے ہیں۔

پروفیسر صاحب: یہ باتیں 8 سال کی عمر کے بچے کرتے ہیں اور 8 سال کے بعد بھول جاتے ہیں۔

جواب: پروفیسر صاحب کیا آپ اس بات پر روشنی ڈال سکتے ہیں کہ آٹھ سال کے بعد یہ بچے کیوں بھول جاتے ہیں۔

پروفیسر صاحب: اس کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے البتہ ہم اس نقطہ پر غور و فکر کر رہے ہیں۔

ہم نے پروفیسر صاحب سے کہا۔۔۔۔۔

ہر آدمی جو اس وقت موجود ہے آئندہ سو سال، ہزار سال، ایک لاکھ سال کے بعد پیدا ہو گا یا گزرے ہوئے کروڑوں سال پہلے پیدا ہوا تھا وہ دراصل آدم کی اولاد ہے، آدم و حوا کی اولاد موجود دور میں ہو کر کھربوں سال پہلے ہو یا کروڑوں سال بعد میں آنے والی ہو آدم و حوا کے نقوش پر پیدا ہوتی ہے۔

آدم کا ہر بچہ اس لئے آدم ہے کہ اس کا باپ آدم تھا آدم کی اولاد کا تاریخی ورثہ یہ ہے کہ۔۔۔۔۔

ایک زمانہ تھا آدم پتھر کے دور میں تھا۔ دوسرا زمانہ دھات کا آیا یعنی آدم لوہے کے دور میں داخل ہوا۔ آدم نے آگ کا استعمال سیکھ لیا آدم ترقی کر کے الیکٹرونک دور میں داخل ہو گیا اور موجودہ صدی میں اس نے بالغ شعور حاصل کر لیا لیکن اگر آدم کی اولاد میں تسلسل کے ساتھ آدم کا ورثہ منتقل نہ ہوتا تو آج آدم ترقی نہیں کر سکتا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ لاکھوں کروڑوں سال کے بعد بھی آدم زاد برادری باوا آدم کا ریکارڈ ہے یعنی لاکھوں سال پہلے سے آدم اپنے پورے ریکارڈ کے ساتھ چھپ رہا ہے۔ چھپائی میں جب کسی وجہ سے انفرادی ریکارڈ کے اوپر اجتماعی ریکارڈ کی روشنائی زیادہ ہو جاتی ہے تو آدم ڈبل چھپنے لگتا ہے اور وہ ایسی باتیں شروع کر دیتا ہے جو ماضی سے متعلق ہوتی ہیں مثلاً ایک آدمی کا نام ولیم ہے اس کی گردن پر سفید نشان ہے وہ مر گیا۔

مرنے کا مطلب یہ نہیں آدم کا ریکارڈ ختم ہو گیا، مرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس کائناتی مشین سے چھپ کر وہ نکلا ہے وہ ریکارڈ تو موجود ہے لیکن چھپی ہوئی تصویر ختم ہو گئی۔ چھپائی کے دوران کچھ نقوش انفرادی طور پر ایسے چھپ جاتے ہیں جن کی وجہ سے یہ نظر آتا ہے کہ یہ فلاں آدمی ہے یہی وجہ ہے کہ جب عمر کے ساتھ ساتھ چھپائی کے نقوش مدہم پڑ جاتے ہیں تو بندہ بھول جاتا ہے جیسے کہ آپ نے مجھے ابھی بتایا کہ آٹھ سال کی عمر کے بعد بچہ یہ بھول جاتا ہے کہ وہ دوسری شخصیت ہے۔

موجودہ سائنس شعور اور لاشعور کا تذکرہ کرتی ہے لاشعور ریکارڈ ہے اور شعور اس ریکارڈ پر مظاہراتی خدوخال پیش کرتا ہے۔ شعور کی ذاتی حیثیت اتنی ہے کہ وہ لاشعور کی دیکھی ہوئی چیزیں مادی طور پر بیان کرتا ہے یعنی شعور اسکرین ہے لاشعور فلم ہے۔

فلم ''ریکارڈ'' میں جو کچھ ہوتا ہے وہی کچھ اسکرین پر نظر آتا ہے، فلم کے اوپر اگر چھوٹا سا نقطہ ہو تو اسکرین پر یہی نقطہ نظر آ جاتا ہے۔

اسپر یچول لیڈی پریشا اور پروفیسر رائے بہت خوش ہو کر رخصت ہوئے۔

اندر کی آنکھ

آدم کو جب اللہ نے بنایا تو اس طرح بنایا کہ آدم اندر زیادہ دیکھتا تھا اور باہر کم۔ باہر دیکھتا تھا تو۔۔۔۔۔باغوں وطیور۔۔۔۔۔نہریں۔۔۔۔۔آبشاریں۔۔۔۔۔بلبل کا ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پھدکنا۔۔۔۔۔کوئل کی کوک۔۔۔۔۔کبوتر کی غٹر غوں۔۔۔۔۔چڑیوں کی چہک۔۔۔۔۔فاختہ کی کوکو سنتا تھا۔۔۔۔۔رنگ رنگ پھولوں کا مستی بھرا شباب۔۔۔۔۔جوانی کی خوشبو۔۔۔۔۔اور خوشبو کی مہک سے مشام جاں، عطر بیز محسوس کرتا تھا۔ آدم ایک بے خود کر دینے والی کیفیت میں گم ہو جاتا تھا۔۔۔۔۔سلیقہ، سلیقہ روشیں، راہ گزر پر قطار در قطار ہوا میں جھومتے پھول۔۔۔۔۔سروقد درخت۔۔۔۔۔چھتری چھتری پیڑ نظر آتے تھے۔۔۔۔۔ان سب میں دل لگانے کے باوجود آدم کے اندر ایک ٹیس ابھرتی تھی، کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ گٹھن آنکھوں سے ٹپکتی تھی کہ آدم کا ہم جنس کوئی نہ تھا۔ ہم جنس کو تلاش کرتے کرتے جب وہ تھک گیا اندر سے ٹوٹ گیا، بکھر گیا۔ تو آدم کو بکھرے ہوئے ذرات میں اپنی ہم جنس کا عکس دکھائی دیا۔ تصویر کا غلاف آنکھوں۔۔۔۔۔چاند چہرہ۔۔۔۔۔غنچہ دہن ۔۔۔۔۔تبسم تبسم ہونٹ۔۔۔۔۔صراحی گردن۔۔۔۔۔سیمی بدن۔۔۔۔۔گدر گدر انار۔۔۔۔۔مقناطیسی کمر۔۔۔۔۔معطر سراپا۔۔۔۔۔قدرت کا شاہکار تصویر کو دیکھا تو آدم اس پر فریفتہ ہو گیا۔ جب اسے اپنے اندر اپنی ہی تصویر کا دوسرا رخ نظر آیا تو تصویر پر اس کا ذہن مرکوز ہو گیا۔ ذہن میں مرکزیت آئی تو ارادہ پیدا ہوا۔ ارادہ میں حرکت ہوئی تو اندر میں اس تصویر نے پلک جھپکی، پلکوں کا جھپکنا تھا کہ آدم کے دل میں پہلے سے موجود روشن نقطہ کھل گیا، روشنی اور نور کا ایک ساتھ جھماکا ہوا اور آدم کے اندر سے تصویر باہر آگئی۔

آدم ایک قدم آگے بڑھا تو تصویر دو قدم آدم کی طرف آئی۔ دونوں کا باہم اتصال ہوا اور آدم اور حوا ایک دوسرے میں جذب ہو گئے۔ آدم نے جذب ہونے کے لئے خود کو حوا کے سپرد کر دیا اور حوا نے آدم کو اس کی پوری صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ اپنے اندر سمیٹ گیا۔

یہ جذب ہونا اور سمٹ کر دونوں کا ایک ہو جانا فطرت کو پسند آیا، فطرت نے انگڑائی لی۔ فطرت کو یوں بے تاب دیکھ کر اس کی داد رسی کے لئے جبلت نے اپنا چولا اتار پھینکا، فطرت اور جبلت آپس میں یک جان دو قالب بن گئیں۔

آدم اور حوا فطرت اور جبلت کے سنجوگ کو دیکھ کر کائنات سرشاری میں نیچے اتر آئی اور اس طرح نزول وصعود شروع ہو گیا۔

کائناتی قانون یہ بنا کہ جب دو صورتیں ایک دوسرے میں جذب ہوں گی تو تیسری تخلیق عمل میں آجائے گی۔ قانون کی عملداری کے بعد ایک تصویر سے دوسری تصویر اور دو تصویروں کے ملاپ سے تیسرا وجود عالم مظاہر میں آنے لگا۔

آدم کے بیٹوں اور حوا کی بیٹیوں سے زمین پر بستیاں آباد ہو گئیں اور بستیاں شہر بن گئیں۔

ایک شہر میں ایک باپ اور اس کے چار بیٹے رہتے تھے۔ باپ نے چار بیٹوں کی تربیت اس طرح کی کہ سب بھائی ایک ہی جان کے الگ الگ حصہ تھے۔ سب میں ایثار تھا، سب میں محبت تھی اور سب ایک دوسرے کے کام آتے تھے۔ سب میں ایک ہی ماں کا خون دوڑ رہا تھا۔ ماں ایک تھی، مامتا کے مظاہر چار تھے۔ چاروں گبرو جوان نکلے۔ زمین کی چھاتی پر قدم رکھتے تو زمین اپنے وجود کو اور زیادہ پھیلا دیتی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ زمین ہی سب سے بڑی ماں ہے جب بچوں نے زمین کی کوکھ کو کریدا تو زمین نے مامتا کے ہاتھ ان کے لئے خود کو لہلہاتے کھیت اور کھلیانوں میں تبدیل کر دیا۔

چار بیٹے جب اپنے اندر کی آگ کی تپش سے جھلسنے لگے تو انہوں نے اپنے باپ آدم کے سبق کو دہرایا۔ بالآخر یہ چاروں بیٹے آدم حوا کے روپ میں بہروپ بن گئے۔

دو آدم اپنی حواؤں کو لے کر الگ ہو گئے۔ دو بھائی الگ نہیں ہوئے۔ بڑے بھائی نے سوچا کہ چھوٹا بھائی ابھی کمزور ہے میرے اوپر فرض ہے کہ میں اس کی مدد کروں۔ بڑے بھائی نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ روزانہ گیہوں کی کوٹھی میں سے بھائی کے لئے اتنا گندم نکال دیتا تھا کہ جتنا روز کا خرچ تھا۔

چھوٹے بھائی نے سوچا میں چھوٹا ہوں بڑے بھائی کے اعصاب پر انحطاط آگیا ہے چھوٹا بھائی ہونے کے ناطے میرا فرض ہے کہ میں بھائی کی خدمت کروں۔ اس نے بھی یہ طریقہ اختیار کیا کہ روزانہ کا خرچ اپنے گیہوں کی کوٹھی سے نکال کر بھائی کی کوٹھی میں ڈالنا شروع کر دیا۔ ایک سال گزرا دوسرا سال گزرا تین سال گزر گئے۔ گھر خوشحال اور سکون کا گہوارہ تھا چوتھا سال آیا۔

بڑے بھائی کی جورو نے یہ کام کیا کہ بڑا بھائی چھوٹے بھائی کی کوٹھی میں جتنا گیہوں ڈالتا تھا وہ اس سے دوگنا نکال لیتی تھی۔

چھوٹے بھائی کی بیوی نے سوچا کہ میرے شوہر کی کمائی بڑے بھائی کو جا رہی ہے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ چھوٹا بھائی اگر بڑے بھائی کی کوٹھی میں ایک کلو گیہوں ڈالتا تھا تو وہ چار کلو نکال لیتی تھی۔

ابھی ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ دونوں بھائی کنگال ہو گئے۔

پیر اور مرید

اللہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں سڑی ہوئی بجنی مٹی سے بنایا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آدمی ناقابل تذکرہ شئے تھا اور ہم نے اس کو سنتا اور دیکھتا بنادیا یعنی جب تک پتلے کے اندر دیکھنا اور سننا موجود نہیں تھا وہ ناقابل تذکرہ شئے قرار پایا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ تم ہماری سماعت سے سنتے ہو، ہماری بصارت سے دیکھتے ہو اور ہمارے فواد سے سوچتے ہو۔ ظاہر ہے اللہ کی سماعت کو اور اللہ کی بصارت کو ہم غیب سے الگ نہیں کر سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے سماعت اور بصارت کی صورت میں ہمیں غیب منتقل کر دیا ہے۔ اسی طرح پتلے کے اندر اللہ نے روح ڈال دی۔ اللہ کی روح یا اللہ کی پھونک یا اللہ کی جان کو غیب سے الگ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ انسان کے اندر جب تک روح موجود ہے زندگی برقرار ہے۔ اور جب تک زندگی ہے حواس موجود ہیں۔

حواس میں دیکھنا، سننا، چکھنا، چھونا تمام باتیں شامل ہیں۔

ان تمام حقائق کے پیش نظر ہم سمجھتے ہیں کہ انسان کی بنیاد غیب کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ایسا غیب جو اللہ نے اپنی مرضی اپنی منشاء اور اپنی مشیئت کے مطابق انسان کو عطا کیا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمت سے ہر انسان مستفیض ہو سکتا ہے۔ یہ نعمت اللہ نے اس لئے عطا کی ہے کہ انسان اس سے فائدہ اٹھائے (غیب میں ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی اللہ بن جائے گا۔ نعوذ باللہ)

''اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تا کہ وہ اس کا استعمال کرے اور جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اور اللہ کا شکر بجا لاتے ہیں اس کا فائدہ انہیں کو پہنچتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتے ہیں اس کا نقصان انہیں کو پہنچتا ہے۔ اللہ ان دونوں چیزوں سے ماوراء ہے۔''

(قرآن)

ایک طبقہ فکر غیب کے نام سے الرجک ہے اور اس کا کہنا ہے کہ غیب صرف اللہ کو حاصل ہے تمام صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کا بھی یہی فرمان ہے کہ غیب صرف اللہ کی ذات برحق ہے لیکن اس ذات برحق نے جتنا علم انسان کو عطا کر دیا وہ آدمی کے اوپر اللہ کا انعام و اکرام ہے اور انسان کے لئے ازلی سعادت ہے۔

دوسری بات غیب کے ضمن میں یہ عرض کرنی ہے کہ جب کوئی چیز سامنے آجاتی ہے تو وہ غیب کے دائرے سے نکل جاتی ہے۔ مثلاً نوع انسان کے لئے فرشتے اور جنات غیب ہیں لیکن اگر کوئی بندہ اللہ کی دی ہوئی نعمت اور صلاحیت کو استعمال کر کے اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ جنات کو دیکھ لے اور فرشتوں سے ہم کلام ہو جائے تو ایسی حالت میں اس کے لئے فرشتے اور جنات غیب نہیں رہے اور جن لوگوں کے سامنے فرشتے اور جنات نہیں آئے فرشتے اور جنات ان کے لئے غیب ہیں۔

روحانی نقطہ نظر سے غیب وہ علم ہے جس کو اللہ نے اپنے لئے مخصوص فرمالیا ہے جو کسی کو حاصل نہیں ہے اور جو علم اللہ نے بندوں پر آشکارہ کر دیا ہے اور اپنے بندوں کی روح میں انڈیل دیا ہے وہ اس غیب کے دائرے میں آتا ہے جس کو اللہ ظاہر کرنا پسند فرماتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اللہ نے ایک بندے کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر۔ سفر کی صعوبتیں اور تکالیف برداشت کر کے جب اس بندے تک پہنچتے ہیں تو اللہ فرماتا ہے موسیٰ نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنی رحمت خاص سے ایک علم عطا کیا اور ہم نے اسے علم لدنی سکھایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر اور صاحب کتاب نبی ہیں، ظاہر ہے کتاب کا نازل ہونا غیب سے باہر نہیں ہے۔ اگر کتاب فرشتے کے ذریعے نازل ہوئی تو اس لئے غیب اس میں شامل ہے کہ فرشتہ غیب ہے اور اگر براہ راست اللہ نے مخاطب فرمایا تو الفاظ اس لئے غیب ہیں کہ ذات حق کے الفاظ ہیں اور ذات الٰہی غیب ہے۔ جلیل القدر پیغمبر بظاہر ایک عام بندہ سے ملتے ہیں، جلیل القدر پیغمبر کی بظاہر ایک عام انسان سے ملاقات اور پھر جو واقعات پیش آئے مثلاً کشتی میں سوراخ کرنا، بچے کا قتل کر دینا، گرتی ہوئی دیوار کا بنا دینا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس بندے کے درمیان یہ معاہدہ ہونا کہ موسیٰ علیہ السلام اس بندے کی کسی بات پر تبصرہ نہیں کریں گے، پھر اپنی بات پر قائم نہ رہنا اور اس بندے سے الگ ہو جانا اور اس بندے کا یہ بتانا کہ ان واقعات میں اللہ کی کیا حکمت ہے، یہ ثابت کر رہا ہے کہ علم غیب کو اللہ نے بندے پر منکشف کر دیا ہے۔

اس علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو پیغمبران کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا کیا جاتا ہے۔ علم کی دوسری قسم وہ ہے جس سے بندہ اللہ کا کارندہ بنتا ہے۔ ایک بندہ وہ ہے جو اللہ کے قانون کے مطابق نوع انسان کو راہ راست پر لانے کی نہ صرف جدوجہد کرتا ہے بلکہ اپنی زندگی کا ایثار کرتا ہے۔ بڑی بڑی تکالیف برداشت کرتا ہے۔ اس کی زندگی کا مشن یہ ہوتا ہے کہ وہ نوع انسانی میں اچھائی اور برائی کے تصور کو عام کر دے اور ان راستوں سے دور لے جائے جو راستے بندے اور اللہ کے درمیان پردہ بنتے ہیں۔ دوسرے بندے کی یہ شان ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں پہلے اللہ کی مشیئت دیکھتا ہے اور مشیئت میں جو کچھ ہوتا ہے اس پر بے چوں وچرا عمل کرتا ہے۔

مفہوم یہ ہے کہ وہ مشیئت کے تحت اللہ کے احکامات پر عمل کرتا ہے اس کی اپنی مرضی شامل نہیں ہوتی۔ اس کے سامنے نہ اچھا ہوتا ہے نہ برا ہوتا ہے۔ صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ کیا چاہتا ہے اس کی نظر اس طرف بھی نہیں جاتی کہ اللہ تعالیٰ ایسا کیوں چاہتا ہے۔ بس اللہ چاہتا ہے اور بندہ اس پر عمل درآمد کرتا ہے۔

تصوف وہ علوم کی بطور خاص نشاندہی کرتا ہے۔ وہ علوم جو پیغمبروں کو سکھائے جاتے ہیں اور وہ علوم جو اہل تکوین کو عطا کئے جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعے پہلا پیغام یہ سنا:

''اپنے رب کا نام لے کر پڑھو جس نے سب کو پیدا کیا۔ بنایا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائے جن کا اس کو علم نہ تھا۔''

(القرآن)

جس طرح ساری مخلوق میں انسان بہترین مخلوق ہے اسی طرح علم حاصل کرنے والا آدمی نوع انسانی میں بہترین انسان ہے۔

طریقت، ایمان، معرفت اور رضائے الٰہی کے حصول میں کسی بھی طرح علم کی افادیت سے انکار ممکن نہیں ہر مرحلے میں علم بنیادی ضرورت ہے۔ راہ سلوک میں توحیدی عقیدہ کے ساتھ عبادات کو صحیح طریقہ پر پورا کرنا۔ اور معاملات درست رکھنا، احوال قلب، حسن اخلاق اور تزکیہ نفس ہونا ضروری ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث سے علم کی قدر و منزلت اور عظمت و شان کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے۔

۱۔ ترجمہ: کیا جاننے والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔''

(پ۲۳۔ زمر ۹)

۲۔ ترجمہ: اللہ تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کے درجے بہت بلند فرمائے گا۔

۳۔ ترجمہ: اے میرے رب میرا علم زیادہ کر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی فضیلت میں فرمایا:

۱۔ ’’جو شخص علم کی تلاش میں سفر اختیار کرے، اللہ اس کے لئے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے۔ بے شک فرشتے طالب علم کی عظمت میں اس پر اپنے پر جھکا دیتے ہیں اور بے شک علم سیکھنے والوں کے واسطے زمین و آسمان کی مخلوق اور پانی کی مچھلیاں مغفرت طلب کرتی ہیں۔ انہیں اس طرح فضیلت ہے جس طرح چاند کو تاروں پر ہے۔ بے شک علمائے حق انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے وراثت میں درہم و دینار کے بجائے علم چھوڑا ہے جس نے علم سیکھا اس نے بڑا حصہ پایا۔‘‘

انسان کی شخصیت بنانے اور اخلاق سنوارنے میں صحبت کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ ایک ساتھی دوسرے ساتھی کے اوصاف سے عملی اور روحانی طور پر متاثر ہوتا ہے۔ انسان کی طبیعت میں اجتماعیت ہے طبعاً اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہے۔ اس کے دوست اور ساتھی ہوں۔ اگر کوئی مصاحبت کے لئے شری، فسادی، فاسق اور تفرقہ ڈالنے والے لوگوں کا انتخاب کرتا ہے تو اس کا اخلاق تباہ ہو جاتا ہے۔ بتدریج اچھے اوصاف اس کے اندر سے ختم ہو جائیں گے۔

اگر کوئی شخص ہم نشینی کے لئے غیب میں اہل ایمان، اہل استقامت اور عارف باللہ لوگوں کو پسند کرتا ہے تو بہت جلد ان جیسا ہو جائے گا اور ان پاکیزہ نفس حضرات کی رہنمائی میں اللہ کی معرفت حاصل کر لے گا۔ عیوب اور برے اخلاق سے چھٹکارا پا جائے گا۔ جس قوم میں بھی رہو، اس قوم کے اچھوں کی صحبت اختیار کرو اور برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرو۔ کسی کے اخلاق کا پتہ چلانے کے لئے اس کے بارے میں مت پوچھو بلکہ اس کے ساتھیوں کے بارے میں معلوم کرو کیونکہ دوست، دوست کی پیروی کرتا ہے۔

صحابہ کرام کو اعلیٰ مقام نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور مجلس کے سبب حاصل ہوا ورنہ اس سے قبل وہ جہالت کے اندھیروں میں تھے اور تابعین نے اس عظیم شرف کو صحابہ کرام کی صحبت سے حاصل کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث علماء باطن اولیاء اللہ سے قرب، اصلاح نفس کا ذریعہ ہے ان کی صحبت میں وقت گزارنے سے ’’یومنون بالغیب‘‘ کی عملی تشریح سامنے آجاتی ہے۔ جو بات کتابوں کے پڑھنے سے سمجھ نہیں آتی وہ ان کی مجالس میں حاضر ہونے سے سمجھ آجاتی ہے۔ دنیا کا کوئی آدمی ظاہری اور باطنی امراض سے آزاد نہیں ہے۔ ان امراض میں غرور، حسد، کینہ، انانیت، خود پسندی، تکبر اور بخل کے امراض نمایاں ہیں۔ اولیاء اللہ کی قربت دعا اور توجہ سے ان امراض کا شافی علاج ہو جاتا ہے۔

’’اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرمایئے ہم تم کو بتائیں کہ سب سے بڑھ کر خسارے میں پڑے ہوئے عمل کس کے ہیں، ان لوگوں کے ہیں جن کی ساری کوشش دنیا ہی کی زندگی میں گم ہو گئیں اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔‘‘

(پ۱۶۔ کہف ۱۰۳۔۱۰۴)

جس طرح انسان اپنے چہرے کے عیوب کو آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھتا ہے اسی طرح۔۔۔۔۔عیوب مومن، مخلص، صادق، صاحب حال بزرگ سے تعلق قائم کرنے سے نظر آتے ہیں اور اس پر اپنے اندر موجود خفیہ امراض منکشف ہو جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"المومن مراۃ المومن۔" مومن، مومن کے لئے آئینہ ہے۔

جس طرح شیشے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں بعض میں بالکل صحیح عکس نظر آتا ہے، بعض چہرے کو چھوٹا یا بڑا دکھاتے ہیں، بعض میں چہرے بدصورت نظر آتے ہیں۔ اور کچھ شیشے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں عکس نظر ہی نظر آتا ہے۔ اسی طرح صاحب مجلس حضرات کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو تمہارے نفس کے عیوب ظاہر نہیں کریں گے۔ تمہاری تعریف کریں گے اور تم اپنے آپ کو کامل خیال کر کے خود بینی و خود پسندی کا شکار ہو جاؤ گے یا وہ تمہاری اس قدر مزمت کریں گے کہ تم اصلاح سے ناامید ہو جاؤ گے۔ مومن صادق وہ ہے جس کی ذات روشن اور منور ہے۔ وہ اپنے مرشد کا وارث ہوتا ہے۔ اور وراثت کا یہ سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متصل ہے اور یہی وہ آئینہ فیض ہے جسے اللہ نے انسانوں کے لئے اعلیٰ مثال اور کامل نمونہ قرار دیا ہے۔

"اے مسلمانو! بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بہتر نمونہ ہے، ان لوگوں کے لئے جو اللہ و قیامت کے دن کی امید رکھتے ہیں اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔"

(پ۲۱۔احزاب۔۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث مرشد کریم کی قربت ہی وہ عملی طریقہ ہے جس سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور نفس اخلاق سے مزین ہو جاتا ہے۔

ابی بن کعب سے روایت ہے۔"میں مسجد میں بیٹھا تھا، پھر ایک اور شخص آیا، اس نے پہلے والے سے مختلف قرأت کی۔ نماز سے فراغت کے بعد ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ان دونوں نے مختلف قرأتیں کی ہیں۔ جنہیں میں نہیں جانتا۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے سنا اور دونوں کو تحسین فرمائی۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں تکذیب آنے لگی۔ حالانکہ میں جہالت کے دور سے نکل آیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کیفیت دیکھی تو میرے سینے پر ضرب لگائی جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ گویا میں نے جمال باری تعالیٰ کا مشاہدہ کیا۔"

حضور ﷺ کے صحابہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شفاخانے سے وابستہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اصلاح و تربیت فرماتے تھے۔

''اللہ وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو تمام برائیوں سے پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت کا علم سکھاتے ہیں۔''

(پ۲۸۔جمعہ ۲)

بہت سے لوگ اس بارے میں متحیر ہیں۔ وہ قرآن پڑھتے ہیں اسلامی علوم پر عبور رکھتے ہیں اور شیطانی وسوسوں سے بچاؤ کی باتیں بھی کرتے ہیں اور ان تمام باتوں کے باوجود نماز میں وسوسوں سے بچنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

۱۔''مومنین میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا وعدہ جو اللہ سے کیا تھا، سچ کر دکھایا۔''

(پ۲۱۔احزاب ۲۳)

۲۔''اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے آپ کو ان لوگوں سے مانوس رکھیں جو اپنے رب کو صبح شام پکارتے ہیں اور اس کے دیدار کے اراد تمند ہیں اور آپ کی نگاہ کرم ان پر سے نہ ہٹے۔ کیا آپ دنیاوی زندگی کی آرائش چاہیں گے (نہیں) اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیے، جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے تابع ہو گیا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔''

(پ۱۵۔کہف ۲۸)

۳۔''اور ان لوگوں کے راستے کی اتباع کرو جو میری طرف جھکے ہوئے ہیں۔

'(پ۲۱۔ لقمٰن ۱۵)

۴۔''اور اس دن کافر اپنے ہاتھ افسوس سے چبائے گا اور کہے گا اے کاش میں نے کسی طرح رسول کے ساتھ راہ لی ہوتی۔ ہائے میری خرابی! کاش میں نے فلاں کو (اللہ اور اس کے رسول کے دشمن کو) دوست نہ بنایا ہوتا۔ بے شک اس نے تو میرے پاس نصیحت آنے کے بعد مجھے بہکایا اور شیطان انسان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔''

(پ۲۹۔فرقان ۲۷ تا ۲۹)

۵۔''(خبردار ہو جاؤ) اس روز سوائے پرہیزگاروں کے تمام گہرے دوست آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔''

(پ۲۵۔زخرف ۶۷)

۶۔"پھر اس عرش پر استوار فرمایا، رحمٰن کے بارے میں اس سے پوچھو جو اس کی خبر رکھتا ہے۔"

(پ۲۹۔فرقان ۵۹)

۷۔جب موسیٰ علیہ السلام نے عزم صادق طویل اور پر مشقت سفر کے بعد خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تو کہا۔"میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہوں گا کہ جو کچھ علم آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھائیں۔" خضر علیہ السلام نے کہا۔"آپ میرے ساتھ ہر گز نہ ٹھہر سکیں گے۔"

(پ۱۵۔کہف ۶۶۔۶۷)

۱۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اچھے اور برے ساتھی کی مثال عطر فروش اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے۔عطر فروش یا تو تمہیں عطر عطا کر دے گا یا تم اس سے عطر خرید لو گے یا پھر جتنی دیر تم اس کے پاس بیٹھے رہو گے تمہیں اس سے خوشبو پہنچتی رہے گی جب کہ بھٹی دھونکنے والا لوہار یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا پھر اس کے پاس سے تمہیں بدبو آتی رہے گی۔

۲۔حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لئے کون سا ہم نشین بہتر ہے؟ فرمایا۔وہ جس کو دیکھنے سے تمہیں اللہ کی یاد آئے، جس کے کلام سے تمہارے عمل میں اضافہ ہو اور جس کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے۔

۳۔ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔آدمی اپنے ساتھی کے دین پر ہوتا ہے پس خیال رکھو کہ تم کس کو اپنا دوست بنا رہے ہو۔

۴۔حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جو نہ نبی ہیں نہ شہید مگر بروز قیامت اللہ کے یہاں ان کے مرتبہ کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم! ہمیں بتائیں کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر نسبی رشتے اور بغیر مالی لین دین کے اللہ کی محبت کی بناء پر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔اللہ کی قسم ان کے چہرے پر نور ہوں گے۔جب لوگ خوف اور غم کا شکار ہوں گے اس وقت انہیں کوئی خوف و غم نہ ہو گا۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

"اللہ کے دوستوں کی پہچان یہ ہے کہ انہیں دین اور دنیا کی زندگی میں خوف اور غم نہیں ہوتا۔"

۵۔ حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آدمی ایک قوم سے محبت کرتا ہے مگر ان جیسے عمل کی استطاعت نہیں رکھتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوذر! تم ان کے ساتھ ہو گے جن سے تم محبت کرتے ہو۔

۶۔ حضرت حنظلہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مجھ سے ملاقات ہوئی انہوں نے میرا حال دریافت کیا۔ میں نے کہا حنظلہؓ منافق ہو گیا۔ انہوں نے کہا۔۔۔۔۔۔! تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا۔ جب ہم حضور ﷺ کی مجلس میں ہوتے ہیں اور وہ ہم سے جنت و دوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ہمارا یہ عالم ہوتا ہے گویا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جب ہم حضور ﷺ کی بارگاہ سے واپس اپنے بیوی بچوں اور کھیتی باڑی میں آتے ہیں تو اس میں سے بیشتر باتیں بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ سن کر فرمایا، خدا کی قسم میرا بھی یہی حال ہے۔ ہم دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم! حنظلہؓ منافق ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کا کیا مطلب ہے؟

میں نے عرض کیا یارسول اللہ! جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ﷺ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تو ہماری کیفیت یہ ہوتی ہے گویا ہم اسے دیکھ رہے ہوں مگر جب آپ ﷺ کی مجلس سے واپس لوٹتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں کھیتی باڑی میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میرے پاس تمہاری کیفیت ہوتی ہے۔ اگر تم اس پر ہمیشہ قائم رہتے تو فرشتے تم سے راستوں میں اور بستروں پر مصافحہ کرتے مگر اے حنظلہؓ! وقت کے ساتھ کیفیات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام جب تک نبی مکرم کی صحبت میں رہتے تھے۔ ان کے لطائف نور نبوت سے رنگین رہتے تھے۔ غیب کی دنیا ان کے اوپر روشن ہے جن کے لطائف رنگین ہوں۔

راہ طریقت کے ارادتمند کو چاہئے کہ وہ ایسے مرشد سے منسلک ہو اور جسے نبی مکرم کی نسبت حاصل ہو۔

مرشد کریم روحانی طالب علم کو نفسانی اندھیروں سے نجات دے کر انوارالٰہیہ سے متعارف کرادیتا ہے۔ خود کو اس کے سپرد کردیں جب ایسا شیخ مل جائے تو روحانی طالب علم کو چاہئے کہ اوصاف حمیدہ سے مزین ہونے اور مقام احسان کے حصول کے لئے شیخ کی فرمانبرداری کرے۔

"اے نبی! بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اور ان کے ہاتھ پر اللہ کا دست قدرت ہے جس کسی نے عہد توڑا تو وہ اپنی خرابی کے لئے عہد توڑ لے گا اور جس نے عہد کو پورا کیا جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اس کو بڑا بدلہ عطا فرمائے گا۔"

(پ۲۶۔ فتح۔۱۰)

"اور جب تم اللہ کے نام سے عہد کرو تو اس کو پورا کرو اور قسموں کو پورا کرنے کے بعد نہ توڑو حالانکہ تم اللہ کو اپنے اوپر ضامن کر چکے ہوں۔"

(پ ۱۴۔ نحل ۱۹)

"اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں پرسش ہو گی۔"

(پ ۱۵۔ بنی اسرائیل ۳۴)

نبی کریم ﷺ نے مختلف موقعوں پر مختلف صورتوں میں بیعت لی ہے۔ آپ ﷺ نے کبھی مردوں سے کبھی عورتوں سے کبھی فرد واحد سے کبھی پوری جماعت سے اور کبھی کم عمر لڑکوں سے کبھی بیعت لی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: "مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، بہتان نہیں لگاؤ گے اور نیکی کے کاموں میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ جس نے اس عہد کو وفا کیا، اللہ اسے اجر دے گا اور جس نے خلاف ورزی کی دنیا میں اسے سزا مل جائے تو یہ اس کے واسطے کفارہ ہو گا۔ اور اگر اللہ اس کے جرم کو پردہ میں رہنے دے تو وہ اللہ کے حوالے ہے۔

"چاہے اللہ اسے معاف کر دے اور چاہے اسے سزا دے۔" جماعت کو تلقین کے بارے میں ابو شداد بن اوسؓ اور عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم میں کوئی اجنبی ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ نے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا، ہاتھ بلند کرو اور کہو۔ "لا الہ الا اللہ"۔ ہم نے ہاتھ بلند کئے اور کہا: لا الہ الا اللہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ الحمد للہ۔

اے اللہ اس کلمے کے ساتھ تو نے مجھے مبعوث کیا، اسی کا تو نے حکم دیا، اسی پر تو نے جنت کا وعدہ فرمایا اور بے شک تو اپنے وعدہ سے نہیں پھرتا۔ اس کے بعد فرمایا تم سب کو بشارت ہو کہ بے شک اللہ نے تمہیں بخش دیا۔

فرد کی تلقین کے بارے میں حضرت علیؓ سے روایت ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اللہ تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ بتائیں جو عبادت میں آسان ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے افضل ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہمیشہ اللہ کا ذکر سری اور جہری طور پر کرتے رہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کا ذکر تو سب کرتے ہیں، مجھے تو آپ کوئی خاص چیز بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، افضل ترین ذکر جو میں نے اور مجھ سے قبل تمام انبیاء نے کیا ہے وہ لا الہ الا اللہ ہے۔ اگر زمین و آسمان ترازو کے

ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور لا الہ الا اللہ کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو دوسرا پلڑا بھاری رہے گا اور جب تک لا الہ الا اللہ کہنے والا ایک شخص بھی زمین پر موجود ہو گیا قیامت نہیں ہو گی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا، میں یہ ذکر کس طرح کروں َنبی کریم ﷺ نے فرمایا، آنکھیں بند کرو اور مجھ سے تین مرتبہ لا الہ الا اللہ سنو اور پھر تین مرتبہ مجھے سناؤ۔ پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ بلند آواز سے ذکر فرمایا۔

حضور جریر بن عبداللہ سے روایت ہے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ بیعت کے واسطے آپ جو پسند کریں مجھ پر کچھ شرائط عائد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں تمہیں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، مسلمانوں کی خیر خواہی کرو اور شرک سے بچو۔

عورتوں سے بیعت لینے کے بارے میں آپ ﷺ کی خالہ حضرت سلمہؓ بنت قلیس فرماتی ہیں، ہم انصار کی عورتیں حضور ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے اس شرائط پر ہم سے بیعت لی کہ ہم شرک نہ کریں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، بہتان نہیں باندھیں گی، نیکی اور اطاعت میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی اور خاوند کے مال میں خیانت نہیں کریں گی۔

"تم اپنے اندر کیوں نہیں جھانکتے میں تمہارے اندر ہوں۔"

(القرآن)

نہ میں زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمان میں لیکن اپنے مومن بندہ کے دل میں سما سکتا ہوں۔

(حدیث)

جب میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس سے قریب ہو جاتا ہوں اور اس قدر قریب ہو جاتا ہوں کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ میں اس کے کان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سنتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے پکڑتا ہے اور اس کے قدم بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے چلتا ہے۔

وہ ہمارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ وہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ انسان کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے۔ ’’اور ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹ رہی ہے۔‘‘ کے مصداق ’’روح‘‘ عالم قدس کی چیز ہے۔ جو انسان کو اوپر کی طرف کھینچتی ہے اور جسم عالم ناسوت کی چیز ہے جو انسان کو نیچے کی طرف کھینچتا ہے۔ لیکن تزکیہ نفس ہو جانے کے بعد روح انسان کو آسانی کے ساتھ عالم قدس کی طرف لے جاتی ہے۔ یہی زندگی کا اصل مقصد ہے۔

علم کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا انسان کو جو فضیلت حاصل ہے وہ صرف علم کی وجہ سے ہے۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے علم الاسماء سکھا کر مخلوق میں سب سے افضل بنا دیا۔ علم کے بغیر انسان جہالت کی تاریکی میں ڈوبا رہتا ہے۔ علم ایک ایسی دستاویز ہے جس میں انسانی شرف چھپا ہوا ہے۔ علم کے حصول میں استاد بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ظاہری علم ہو یا باطنی، مادی علم ہو یا روحانی ہر قسم کے علم سیکھنے کے لئے استاد کی بڑی اہمیت اور ضرورت ہے۔

ہمیں یہ بات جاننی چاہئے کہ انسان کو کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ ہم مر کیوں جاتے ہیں؟ اگر ہم اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ جانوروں کی طرح کھائیں، پئیں اور مر جائیں تو پھر انسان کی فضیلت کیا ہے؟

اگر روزی کمانا، کھانا پینا اور مباشرت زندگی کا مقصد ہے تو پھر انسان اور جانوروں میں کیا فرق ہے؟ ظاہر ہے کہ صرف روزی کمانا ہی انسان کی زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ کیونکہ اس زندگی کے بعد بھی دوسری زندگی ہے۔

تیری منزل مقصود تیرا رب ہے۔

(القرآن)

سچی بات یہ ہے کہ اللہ تک رسائی اور اس کا قرب حاصل کرنا انسانی زندگی کا مقصد ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر میں لیعبدون کے معنی لیعرفون بتائے گئے ہیں۔ ابن عباسؓ جلیل القدر صحابی سے بہتر قرآن کے معنی کون مفسر سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ اس آیت کی رو سے بھی انسان کی زندگی کا مقصد اللہ سے قرب اور معرفت الٰہی ہے۔ مقام عبدیت اس وقت حاصل ہوتا ہے جب بندہ اللہ کو دیکھ لے اور پہچان لے۔

اولیاء کرام اور مشائخ اس پر یقین رکھتے ہیں ریاضت، مجاہدہ اور عبادت کے ذریعے انسان کے اندر غیب دیکھنے والے حواس متحرک ہو جاتے ہیں۔ انسان دیکھ لیتا ہے کہ اللہ رگ جان سے زیادہ قریب ہے۔

انسان جب اللہ سے واقف ہونا چاہئے اس کا قرب حاصل کرنا چاہئے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ روحانی استاد تلاش کرے۔ ’’بیعت‘‘ کا مطلب ہے کہ انسان ایسے استاد کا انتخاب کرے جو اسے قدم قدم چلا کر، روحانی علوم سکھا دے، راہ سلوک کا مسافر یا

روحانی طالب علم روحانی اسکول میں داخل ہو کر، مرشد کریم (روحانی استاد) کی توجہ اور محنت سے اپنے اندر کی دنیا سے واقف ہو جاتا ہے۔اندر کی دنیا کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا رابطہ اپنی روح سے ہو جاتا ہے۔وہ جان لیتا ہے کہ ازل میں روح اللہ کو دیکھ چکی ہے۔

''اللہ'' کی آواز سن کر اللہ کے رب العالمین ہونے کا اقرار کر چکی ہے چونکہ روح اللہ کو دیکھ چکی ہے، اللہ کی آواز سن چکی ہے اور اللہ کو اپنا رب تسلیم کر چکی ہے۔اس لئے مرشد کریم کی تعلیمات، مضر قات اور نسبت وحدت سے جب مرید روح کو دیکھ لیتا ہے تو وہ روح کے دیکھنے کو دیکھ لیتا ہے۔اور اللہ کا عارف بن جاتا ہے۔اللہ کا عارف، اللہ کا دوست ہوتا ہے۔

''اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا۔'' ہر آن، ہر لمحہ اور ہر سانس میں ان کا رشتہ اللہ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔

علم الکتاب

حضرت سلیمان علیہ السلام بنی اسرائیل کے مشہور، جلیل القدر نبی تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ حضرت سلیمان بچپن سے ہی ہونہار، ذہن، فہم اور ہوشیار تھے۔ اپنے والد کے ساتھ مقدمات کے فیصلوں میں شریک رہتے تھے۔

سورۃ النساء میں ایک مقدمہ کا ذکر ہے۔ جس میں اپنے والد کے ساتھ شریک سماعت تھے۔

ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام کے دربار میں دو شخص حاضر ہوئے اور ایک نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس کی بکریاں کھیت میں آگئیں اور سارا کھیت چر گئیں اور برباد کر دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے مقدمہ کا فیصلہ سنایا کہ مدعی کی کھیتی کا نقصان چونکہ مدعا علیہ کے گلہ کی قیمت کے برابر ہے۔ لہٰذا مدعا علیہ اپنا گلہ مدعی کو دے دے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا۔

ابا جان! آپ کا فیصلہ صحیح ہے مگر بہتر صورت یہ ہے کہ مدعا علیہ کا ریوڑ مدعی کو دے دیا جائے اور اس کو اجازت دی جائے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے اور مدعی کا کھیت مدعا علیہ کے حوالے کر دیا جائے اسے حکم دیا جائے کہ اسے بوئے اور جوتے۔ جب کھیت کی کھیتی پورے طور پر تیار ہو جائے تو مدعی کو اس کی کھیتی دلوا دی جائے اور مدعا علیہ کو اس کا ریوڑ واپس کرا دیا جائے۔

قرآن کریم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس فیصلہ کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے۔

"ہم نے سلیمانؑ کو اس فیصلہ کی فہم عطا فرمائی۔"

حضرت داؤد علیہ السلام کے انتقال کے بعد حضرت سلیمانؑ نبوت اور سلطنت کی مسند پر فائز ہوئے۔ "اور سلیمانؑ، داؤدؑ کے وارث ہوئے"۔۔۔۔۔شرف نبوت اور عظیم الشان سلطنت کے علاوہ اللہ قادر مطلق نے چند اختیارات عطا فرمائے تھے۔

(۱)انسانوں کے علاوہ جن اور جانور بھی آپ کے تابع فرمان تھے۔ جو خدمت جس طرح چاہتے۔ ان سے لیتے۔ چنانچہ قرآن کی وضاحت کے مطابق جنات آپ کے حکم کی تعمیل میں قلعے، عبادت گاہیں، نقش و نگار بڑے بڑے لگن جو حوضوں کی مانند ہوتے تھے اور بڑی بڑی دیگیں جو زمین میں گڑی رہتی تھیں بناتے تھے اور پرندے آپ کے حکم سے انتظار میں پر باندھے کھڑے رہتے۔ چنانچہ بیت المقدس بھی جنات نے تعمیر کی اور ہدہد نے ملکہ سبا کے دربار میں قاصد کے فرائض انجام دیئے۔

(۲)اللہ قادر مطلق نے آپ کو جانوروں کی بولیاں سمجھنے کا علم دیا تھا۔ آپ اسی طرح جانوروں کی زبان سمجھتے تھے جس طرح انسانوں کی زبان سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ وادی نمل میں آپ کا گزر ہوا اور چیونٹیوں کے سردار نے چیونٹیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے بلوں میں گھس جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ کا لشکر ان کو روند ڈالے۔ حضرت سلیمانؑ چیونٹیوں کے سردار کی بات سن کر ہنس پڑے۔

اللہ قادر مطلق نے ہوا کو آپ کے لئے مسخر کر دیا تھا۔ حضرت سلیمانؑ اپنے ہوائی تخت پر سوار ہو کر یمن سے شام، شام سے یمن جاتے تھے۔ حضرت سلیمانؑ اپنے ہوائی تخت پر بیٹھ کر ایک سو بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کی طاقت کے باوجود نہایت انکساری، عاجزی اور بندگی میں زندگی گزارتے تھے۔

ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام کے عظیم الشان اور بے مثال دربار میں انسانوں کے علاوہ جن اور حیوانات بھی دربار میں حاضر تھے جو اپنے اپنے مرتبہ اور سپرد کردہ جذبات پر بے چون وچرا عمل کیا کرتے تھے ایک بار دربار سلیمانی پورے جاہ و چشم کے ساتھ منعقد تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جائزہ لیا تو ہدہد کو غیر حاضر پایا۔ ارشاد فرمایا کہ میں ہدہد کو موجود نہیں پاتا کیا وہ واقعی غیر حاضر ہے۔ اگر اس کی غیر حاضری بے وجہ ہے تو میں اس کو سخت سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا یا پھر وہ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بتائے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ہدہد حاضر ہو گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی باز پرس پر اس نے کہا۔

میں ایک ایسی یقینی خبر لایا ہوں جس کی اطلاع آپ کو نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ یمن کے علاقے میں ملکہ سبا رہتی ہے۔ خدا نے اسے سب کچھ دے رکھا ہے مگر۔۔۔۔۔۔ ملکہ اور اس کی قوم سورج کی پرستش کرتی ہے۔ شیطان نے انہیں گمراہ کر دیا ہے۔ وہ خدائے لا شریک کی پرستش نہیں کرتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا۔ تیرے سچ اور جھوٹ کا امتحان ابھی ہو جائے گا۔ تو اگر سچا ہے تو میرا یہ خط لے جا اور سے ملکہ سبا تک پہنچا دے اور انتظار کر کہ وہ اس کے متعلق آپس میں کیا گفتگو کرتے ہیں۔ ہدہد نے۔۔۔۔۔۔ یہ خط ملکہ کے سامنے ڈال دیا۔۔۔۔۔۔ تو ملکہ نے اسے پڑھا اور پھر اپنے درباریوں سے کہا۔ ابھی میرے پاس ایک معزز مکتوب آیا ہے جس میں درج ہے۔

"یہ خط سلیمان کی جانب سے، اللہ کے نام سے شروع ہے۔

تم کو ہم سے سرکشی اور سربلندی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے تم ہمارے پاس خدا کے فرماں بردار ہو کر آؤ۔‘‘

ملکۂ سبا نے خط کی عبارت پڑھ کر کہا۔ ’’اے میرے ارکان حکومت! تم جانتے ہو کہ میں اہم معاملات میں تمہارے مشورے کے بغیر کوئی اقدام نہیں کرتی۔ اس لئے اب تم مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔‘‘ ارکان حکومت نے عرض کیا۔ ’’جہاں تک مرعوب ہونے کا تعلق ہے۔ اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم زبردست طاقت اور جنگی قوت کے مالک ہیں۔ رہا مشورے کا معاملہ تو آپ جو چاہیں فیصلہ کریں۔ ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔‘‘ ملکہ نے کہا۔ ’’بے شک ہم طاقتور اور صاحب شوکت ہیں لیکن سلیمان علیہ السلام کے معاملہ میں ہم کو عجلت سے کام نہیں لینا چاہئے۔ پہلے ان کی قوت اور طاقت کا اندازہ کرنا ضروری ہے جس عجیب طریقہ سے سلیمانؑ کا پیغام ہم تک پہنچا ہے وہ ہمیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ سلیمانؑ کے معاملہ میں سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھایا جائے۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ چند قاصد روانہ کروں وہ سلیمان علیہ السلام کے لئے عمدہ اور بیش قیمت تحائف لے کر جائیں اور اس طرح ہم ان کی شان و شوکت کا اندازہ لگا سکیں گے اور ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر واقعی وہ زبردست قوت و شوکت کے مالک اور وقت کے بادشاہ ہیں تو ان سے ہمارا لڑنا فضول ہے اس لئے کہ صاحب طاقت و شوکت بادشاہوں کا یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی بستی میں فاتحانہ غلبہ کے ساتھ داخل ہوتے ہیں تو اس شہر کو برباد اور باعزت شہریوں کو ذلیل و خوار کرتے ہیں۔

جب ملکہ سبا کے قاصد تحائف لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت سلیمانؑ نے فرمایا:

’’تم اور تمہاری ملکہ نے میرے پیغام کو غلط سمجھا۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ان تحائف کے ذریعہ جن کو تم بیش بہا سمجھ کر بہت مسرور اور خوش ہو۔ مجھ کو راضی کر لوگے۔ حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو کچھ مرحمت فرمایا ہے اس کے مقابلے میں تمہاری یہ بیش قیمت دولت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ تم اپنے تحفے واپس لے جاؤ اور اپنی ملکہ سے کہو۔ اگر اس نے میرے پیغام کو قبول نہیں کیا تو میں ایسے زبردست لشکر کے ساتھ سبا والوں تک پہنچوں گا کہ تم اس کی مدافعت اور مقابلے سے عاجز ہو گے اور پھر تم کو ذلیل و رسوا کر کے شہر بدر کر دوں گا۔‘‘

قاصدوں نے واپس آ کر ملکہ سبا کے سامنے تمام روئیداد سنائی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی شوکت و عظمت کا جو کچھ حال دیکھا تھا حرف بہ حرف کہہ سنایا اور بتایا کہ ان کی حکومت صرف انسانوں پر ہی نہیں بلکہ جن اور حیوانات بھی ان کے تابع فرمان اور محکوم ہیں۔

ملکہ نے جب یہ سنا تو طے کر لیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقابلہ پر آنا اور ان سے لڑنا خود اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔ بہتر

یہی ہے کہ ان کی دعوت پر لبیک کہا جائے لہٰذا اس نے سفر شروع کر دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ ملکہ سبا حاضر خدمت ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے درباریوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا کے پہنچنے سے پہلے اس کا شاہی تخت اس دربار میں موجود ہو تم میں سے کون اس خدمت کو انجام دے سکتا ہے؟" ایک دیو پیکر جن نے کہا۔ اس سے پہلے کہ آپ دربار برخاست کریں۔ میں تخت لا سکتا ہوں۔ مجھے یہ طاقت حاصل ہے اور یہ کہ میں اس تخت کے بیش بہا سامان میں کوئی بددیانتی نہیں کروں گا۔

جن کا یہ دعویٰ سن کر ایک انسان نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ کہا۔ "اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے۔۔۔۔۔۔ یہ تخت دربار میں موجود ہو گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے رخ پھیر کر دیکھا تو ملکہ سبا کا تخت دربار سلیمانی میں موجود تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا

"یہ میرے پروردگار کا فضل و کرم ہے وہ مجھ کو آزماتا ہے کہ میں شکر گزار بندہ ہوں یا نافرمان۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اس کا شکر گزار ہوتا ہے وہ اپنی ذات ہی کو نفع پہنچاتا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نافرمانی سے بے پرواہ اور بزرگ تر ہے اور اس کا وبال خود نافرمانی کرنے والے پر ہی پڑتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس تخت کی ہیئت میں کچھ تبدیلی کر دی جائے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا یہ دیکھ کر حقیقت کی طرف راہ پاتی ہے یا نہیں۔ کچھ عرصے کے بعد ملکہ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ ملکہ جب دربار میں حاضر ہوئی تو اس سے پوچھا گیا۔ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے عقلمند ملکہ نے جواب دیا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا وہی ہے۔" ملکہ نے ساتھ ہی یہ بھی کہا۔ "مجھ کو آپ کی بے نظیر اور عدیم المثال قوت کا پہلے سے علم ہو چکا ہے اسی لئے میں مطیع اور فرماں بردار بن کر حاضر خدمت ہوئی ہوں اور اب تخت کا یہ محیر العقول معاملہ تو آپ کی لاثانی طاقت کا کھلا مظاہرہ ہے جو ہماری اطاعت کے لئے مزید ثبوت فراہم کرتا ہے ہم پھر ایک مرتبہ آپ سے وفاداری کا اعلان کرتے ہیں۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں کی مدد سے ایک عالی شان محل تیار کروایا تھا جو آبگینوں کی چمک، قصر کی رفعت اور عجیب و غریب صنعتکاری کے لحاظ سے بے مثال تھا اور میں داخل ہونے کے لئے سامنے جو صحن پڑتا تھا اس میں بہت بڑا حوض کھدوا کر پانی سے لبریز کر دیا گیا تھا۔ پھر شفاف آبگینوں اور بلور کے ٹکڑوں سے ایسا نفیس فرش بنایا گیا کہ دیکھنے والوں کی نگاہ دھوکا کھا کر یہ یقین کر لیتی تھی کہ صحن میں شفاف پانی بہہ رہا ہے۔

ملکہ سبا سے کہا گیا کہ وہ قصر شاہی میں قیام کرے۔ ملکہ محل کے سامنے پہنچی تو شفاف پانی بہتا ہوا دیکھا جب ملکہ نے پانی میں اترنے کے لئے پنڈلی سے کپڑے اوپر اٹھائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ پانی نہیں ہے۔ سارا محل اور اس کا خوبصورت صحن چمکتے ہوئے آبگینوں سے بنایا گیا ہے۔ ملکہ نے ندامت اور شرم سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے بارگاہ الٰہی میں اقرار کیا۔

"پروردگار! آج تک ماسوااللہ کی پرستش کر کے میں نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا مگر اب میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہو کر صرف ایک اللہ پر ایمان لاتی ہوں جو تمام کائنات کا پروردگار ہے۔"

حکمت:

اس قصہ میں اللہ نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ ہم نے دوؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو ایک علم دیا ہے۔یعنی یہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسپائر ہوا ہے۔انسپائر ہونا۔خواہ سن کر ہو یا کوئی منظر دیکھ کر ہو بہر صورت وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے پاس وحی آتی تھی۔وحی کے ذریعہ نزول علم ہوتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہن میں کوئی بات آتی ہے تو بھی وہ اللہ تعالیٰ کا علم ہوتا ہے کسی انسان کا علم نہیں ہوتا۔ہوائی جہاز،ٹیلی فون،ٹی وی،ٹیلکس،ریڈیو وغیرہ جن لوگوں نے بنائے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے انسپائر کیے جاتے ہیں۔

سائنٹسٹ کیا تھے اور کیا ہیں اس سے ہمیں بحث نہیں۔ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قادر مطلق ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کے تحت انسان کو وہ چیز مل جاتی ہے جس کی اسے تلاش ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کے یہاں اس بات کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے یا نہیں۔ قانون یہ بھی ہے کہ انسان اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ تن من دھن سے کسی چیز کی تلاش میں لگ جائے اور تلاش کو زندگی کا مقصد قرار دے دے تو اسے کامیابی حاصل ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے۔پہلے بھی جاری تھی۔اب بھی جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گی۔اس بات کو ہمارے بزرگوں نے دو لفظوں میں بیان کیا ہے۔جوئندہ یابندہ۔"جو ڈھونڈتا ہے وہ پالیتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں صرف کہانی بیان نہیں کی ہے۔کہ کہانیاں سنا کر اللہ ہمیں مرعوب کرنا چاہتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری حیثیت اور حقیقت ہی کیا ہے جو مرعوب کرنے کی ضرورت پیش آئے۔اللہ کے علوم لا متناہی ہیں۔اللہ کا منشاء یہ ہے کہ ہم لوگوں کو آگے بڑھتا دیکھ کر خود بھی اس کی طرف قدم بڑھائیں۔اس کہانی کا منشاء ہماری ہدایت اور رہنمائی ہے۔

اللہ نے اس قصہ میں جنات کا تذکرہ بھی کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ جنات انسانوں کے زیر اثر آ سکتے ہیں اگر لوگ اس علم کو قرآن پاک میں تلاش کریں جس کو علم الکتاب (علم بمعنی قرآن) کہا گیا ہے تو یقیناً وہ علم انہیں مل جائے گا۔ جو انسان کو جنات پر فوقیت دیتا ہے ہم میں بعض مسلمان ایسے بھی ہیں جو جنات پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ جنات ایک فکشن ہے۔ انہیں یہ علم نہیں ہے کہ مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ قرآن کے ایک ایک حرف پر یقین رکھتا ہو۔ اگر ہم ایمان کو اپنے دل میں جگہ دیں اور دل کی گہرائیوں تک لے جائیں اور دل کے احاطہ میں رکھیں یعنی اس کا پورا یقین کر لیں تو ہمارے اوپر وہ تمام رموز جو قرآن پاک میں موجود ہیں، ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعوت دی ہے جگہ جگہ فرماتا ہے فکر کرو۔ یہ بھی فرمایا ہے۔ "کہتے ہیں گنوار ہم ایمان لائے تو کہو تم ایمان نہیں لائے، پر کہو مسلمان ہوئے اور ابھی نہیں داخل ہوا۔ ایمان تمہارے دلوں میں (ترجمہ شاہ عبدالقادر)۔

بعض لوگوں کے ذہن میں فرشتے بھی ایک فکشن ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز ہمارے مشاہدے میں ہے وہ ہے اور جو چیز ہمارے مشاہدے میں نہیں ہے۔ وہ نہیں۔ یہاں یہ بات بہت زیادہ غور طلب ہے کہ ایٹم انسان کے مشادے میں نہیں آیا ہے۔ جس طرح ایٹم مشاہدہ میں نہیں آیا ہے۔ اس طرح وائرس بھی انسان کے مشاہدہ میں نہیں آیا۔ جس طرح ہم ایٹم اور وائرس کو نہیں دیکھتے اسی طرح جنات کا مشاہدہ بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ یقین حاصل نہیں ہے جس سے مشاہدہ ہوتا۔ بالمقابل اس بات کے ایٹم کا یقین انہیں بی ہیویئر (Behaviour) سے ملا ہے۔ ایٹم کے بی ہیویئر (Behaviour) سے اس لئے انکار نہیں کر سکتے کہ مٹھی بھر آدمی ایٹم کے بی ہیویئر (Behaviour) کو دیکھ چکے ہیں۔ کیا ایٹم کی طرح، جنات سے وقوف رکھنے والے انسانوں کی تعداد اتنی بھی نہیں ہے۔ جتنی ایٹم کا بی ہیویئر مشاہدہ کرنے والوں کی ہے۔ یقیناً ہے لیکن ان کی بات پر اعتماد نہیں کیا جاتا اس کی وجہ بجز بے یقینی کے کچھ نہیں ہے۔ ابھی ہمارے دلوں میں ایمان نہیں اترا ہے۔ جس وقت ہمارے دلوں میں ایمان اتر جائے گا یقیناً ہم جنات اور فرشتوں کو دیکھ لیں گے۔ مسلمانوں میں ایسے گروہ بن گئے ہیں جو قرآن کو اپنی عقل کے مطابق بنانا چاہتے ہیں۔ جبکہ اللہ کا حکم ہے کہ

اور اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو۔

(القرآن)

اگر فرقوں میں بٹی ہوئی قوم متحد ہو جائے تو ساری دنیا پر اسلام کی حکمرانی ہو گی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ نوع انسانی کے لئے تفکر کا ایک نایاب خزانہ ہے۔ ہدہد کا دیر سے آنا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملکہ سبا کے متعلق اطلاع دینا اور یہ بتانا کہ وہ اور اس کی قوم سورج پرست ہے اور ہدہد کا پیغام لے جانا یہ سب باتیں نکات سے خالی نہیں ہیں۔ ان باتوں میں خالق کائنات کی حکمت پوشیدہ ہے۔ پہلی حکمت یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جو انسان تھے،

انسانوں، جنوں، پرندوں، درندوں اور ہوا پر حکومت کرتے تھے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی سرکشی نہیں کرتا تھا اور اگر سرکشی کرتا تھو تو سزا پاتا تھا۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کے لئے فرمایا تھا۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ باوجود اتنے بڑے لشکر کے جس میں جنات، انسان، پرندے وغیرہ شامل تھے۔ اللہ قادر مطلق انہیں اس تمام لشکر کی شکم پُری کے لئے رزق فراہم کرتا تھا۔

اس قصہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں ایسا جن بھی تھا کہ جو ایک یا دو ساعت میں ملکہ سبا کا تخت یمن سے بیت المقدس لا سکتا تھا (یمن سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ ہزار میل بتایا جاتا ہے) اس قصہ میں یہ حکمت بھی بیان ہوئی ہے کہ جو انسان قرآن کا علم جانتا ہے اس کی رسائی جنات سے زیادہ ہے اور جو بندہ قرآن پاک میں موجود تسخیری فارمولے جانتا ہے زمان و مکان (Space & Time) اس کے تابع فرمان ہو جاتے ہیں اور اس کی روشن مثال یہ ہے کہ دربار میں موجود ایک انسان پلک جھپکتے بلکہ سبا کا تخت دربار میں لے آیا۔

اللہ قادر مطلق نے اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآن پاک میں وہ علم موجود ہے جس سے ہم ہر طرح کا استفادہ کر سکتے ہیں اور اس میں نبی ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے بلکہ ہر بندہ کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے۔ اب اس صلاحیت کو اگر کوئی بندہ ٹھکرا دے اور یہ سمجھے کہ میری کیا حقیقت ہے کہ میں اس علم کو سمجھ سکوں اس لئے غلط ہے کہ اللہ قادر مطلق نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں بندہ کا تذکرہ کر کے انسان کے لئے یہ چیز عام کر دی ہے بشرطیکہ وہ تفکر سے کام لے۔

علم کتاب کو حاصل کرنا تفکر کے ذریعہ ممکن ہے۔ تفکر کا اصل اصول معلوم کرنے کے لئے اپنی روح سے واقف ہونا ضروری ہے جو لوگ اپنی روح سے واقف ہو جاتے ہیں۔ (روحانی صلاحیتوں سے بھی واقف ہو جاتے ہیں)

کتاب "لوح و قلم" مصنف حضرت قلندر باباؒ اولیاءؒ میں درج ہے کہ انسان چھ لطیفوں سے مرکب ہے اور ہر دو لطیفوں سے سے ایک دائرہ بنتا ہے یعنی انسان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کا دار و مدار ان تین دائروں پر ہے۔ پہلے دائرے میں اللہ قادر مطلق کی مشیئت اور تسخیر کائنات کے فارمولے نقش ہیں۔ دوسرے دائرے میں حیات بعد الممات کی تشریح ہے اور تیسرے دائرہ میں اعمال و حرکات کی تشریح کرتا ہے جن سے زندگی بنتی اور خرچ ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی آیات میں تفکر کیا جائے تو یوں کہا جائے گا۔

انسان ناقابل تذکرہ شئے تھا۔ اس کے اندر روح ڈال دی گئی تو زندگی دوڑنے لگی اور روح امر رب ہے اور امر رب یہ ہے کہ جب وہ کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے۔ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ مقام فکر ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کی روح ہے لیکن بظاہر کتنا مجبور و لاچار ہے، مجبور و لاچار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسان علم کتاب سے ناواقف ہے یہی وہ ناواقفیت ہے جس

نے ہمیں تسخیر کائنات کے فارمولے سے محروم کر دیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن پاک میں تفکر کر کے اس گم کردہ نعمت کو تلاش کریں اور اللہ قادر مطلق کے انعامات واکرامات سے فیض یاب ہو کر سرفرازی اور سربلندی حاصل کرے۔

بے روح عقل

یہ وہ دور تھا جب فرعون اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ عمران کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

ولادت کے وقت گھر کے تمام افراد اور خصوصاً ان کی والدہ سخت پریشان تھیں کہ بچہ کو کس طرح قاتلوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا جائے۔ تین ماہ تک جیسے تیسے چھپائے رکھا اور کسی کو بچہ کی پیدائش کی خبر نہ ہونے دی مگر سخت نگرانی، کڑی دیکھ بھال اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر زیادہ عرصے تک اس خبر کو پوشیدہ رکھنا ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ ایک ایسا صندوق بناؤ جس پر پانی کا اثر نہ ہو، اس میں بچہ کو رکھ دو اور اس صندوق کو دریائے نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بات القا ہوئی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اسی پر عمل کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی بڑی ہمشیرہ کو ہدایت کی کہ وہ صندوق کے ساتھ دریا کے کنارے کنارے جائے اور دیکھے کہ صندوق کہاں جاتا ہے۔ یہ صندوق جس کی نگرانی موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کر رہی تھیں۔ بہتا ہوا شاہی محل کے سامنے دریا کے کنارے آ لگا۔ شاہی محل کی عورتوں میں سے کسی عورت نے یہ صندوق خادموں سے اٹھوایا اور شاہی محل میں لے گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو بہت اطمینان ہوا اور آئندہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے وہ شاہی محل کے خدام میں شامل ہو گئیں۔ شاہی محل میں جب یہ صندوق کھولا گیا تو گھر والوں نے دیکھا کہ ایک حسین اور تندرست بچہ لیٹا ہوا انگوٹھا چوس رہا ہے۔ فرعون کی بیوی نے اتنا حسین اور خوبصورت بچہ دیکھا تو باغ باغ ہو گئی اور بے پناہ محبت کا اظہار کیا۔ خدام میں سے کسی نے کہا کہ یہ تو اسرائیلی معلوم ہوتا ہے یقیناً یہ دشمنوں کا بچہ ہے اس کا قتل کیا جانا بہت ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ہمارے بادشاہ کے خواب کی تعبیر ہو۔ اس بات کو سن کر فرعون بھی پریشان ہو گیا۔ حالات کو دیکھ کر فرعون کی بیوی کو ڈر محسوس ہوا کہ کہیں فرعون بچہ کو قتل نہ کرا دے۔ بیوی نے درخواست کی کہ اس بچہ کو قتل نہ کیا جائے ہو سکتا ہے کہ یہ بچہ ہمارے لئے باعث برکت ہو۔ ملکہ کی درخواست فرعون نے قبول کر لی اور بچہ قتل ہونے سے بچ گیا۔

ایک آیا کا انتظام کیا گیا تاکہ وہ بچہ کو دودھ پلائے گی۔ بچہ نے کسی کا بھی دودھ نہ پیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے صورت حال دیکھ کر فرعون کی بیوی سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ایک بہت خدمت گزار آیا لے آؤں۔ فرعون کی اجازت پا کر موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ بہت خوش ہوئیں اور گھر آ کر والدہ کو ساتھ لے آئیں۔۔۔۔۔ والدہ کی گود میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش شروع ہو گئی۔

محل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک عرصے تک شاہی تربیت پاتے رہے۔ نوجوانی کے عالم میں نہایت باوقار پر رعب چہرہ، قوی اور بہادر نظر آتے تھے۔ ان کے علم میں یہ بات آ گئی تھی کہ وہ مصری نہیں ہیں بلکہ اسرائیلی ہیں۔ اسرائیلی مصر میں ذلت اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور مصری اسرائیلیوں پر بے پناہ ظلم کر رہے تھے۔ مظالم دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خون کھول جاتا تھا۔ وقتاً فوقتاً اسرائیلیوں کی حمایت بھی کرتے تھے۔ ان کا ساتھ بھی دیتے تھے۔ ایک بار ایک مصری ایک اسرائیلی کو گھسیٹتا ہوا بیگار کے لئے جا رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اسرائیلی نے فریاد کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصری کو منع کیا مگر وہ نہ مانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں اک تھپڑ مار دیا۔ جس سے وہ مر گیا۔۔۔۔۔ مصری کے قتل کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی مگر قاتل کون ہے۔ یہ کوئی نہیں بتا سکا۔ مگر جلد ہی فرعون کو پتا چل گیا کہ مصری کو موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ فرعون نے گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھپتے چھپاتے ارض مدین چلے گئے۔

مدین میں انہوں نے ایک کنواں دیکھا۔ جہاں لوگ کنوئیں سے پانی نکال نکال کر اپنے اپنے جانوروں کو پلا رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ دو لڑکیاں اپنے جانوروں کو کنوئیں کے پاس جانے سے روک رہی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لڑکیوں کی بے بسی پر ترس آیا۔ آگے بڑھ کر ان سے پوچھا تم اپنے جانوروں کو پانی کیوں نہیں پلا رہی ہو۔ لڑکیوں نے فریاد کی یہ طاقتور لوگ ہمارے جانوروں کو کنوئیں کے پاس نہیں آنے دیتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے کنوئیں کا بڑا ڈول اٹھایا۔ کنوئیں سے پانی بھر کر نکالا اور لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ لوگ ان کے جاہ و جلال اور آسمانی طاقت سے بہت مرعوب ہوئے۔ خلاف معمول لڑکیوں کے والد جلد واپسی پر متعجب ہوئے۔ لڑکیوں نے اپنے والد کو بتایا کہ ایک مصری نے ہماری بکریوں کو کنوئیں سے پانی نکال کر پلا دیا۔ وہ بہت پر جلال اور طاقتور شخص ہے۔ باپ نے کہا۔ ''اسے میرے پاس لے آؤ۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کنوئیں کے پاس ہی ستانے کے لئے بیٹھے تھے کہ ایک لڑکی نے جا کر کہا کہ آپ کو ہمارے والد بلا رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گھر پہنچ کر لڑکیوں کے والد سے ملاقات کی۔ بزرگ نے سب سے پہلے کھانا کھلایا اور پھر ان کے حالات سنے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ولادت سے مدین تک آنے کے حالات اور بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم کی داستان سنائی۔ بزرگ نے بہت تسلی دی۔ جو لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھی۔ اس نے اپنے والد سے کہا۔ آپ اس مہمان کی خدمت کے لئے ملازم رکھ لیجئے۔

خدمت گار وہی اچھا ہوتا ہے جو طاقتور ہو اور امین بھی ہو۔ باپ نے بیٹی سے پوچھا۔ "تجھے اس مہمان کی قوت اور امین ہونے کا پتا کس طرح چلا۔" لڑکی نے ثبوت کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شروع سے آخر تک کا طرز عمل بیان کیا۔ بیٹی کی یہ بات سن کر باپ بہت خوش ہوا۔۔۔۔۔ بزرگ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اگر تم آٹھ سال تک میرے پاس رہو اور میری بکریاں چراؤ تو میں اپنی اس بیٹی کی شادی تم سے کرنے کو تیار ہوں اگر تم اس مدت کو دو سال اور بڑھا کر دس سال کر و تو یہ بہت بہتر ہو گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ شرط منظور کر لی اور کہا کہ یہ مجھ پر چھوڑ دیں کہ میں اپنی خوشی سے مدت میں سے جس طرح چاہوں۔ پورا کروں۔

آپس میں شرائط کی منظوری کے بعد بزرگ سے مقرر کردہ مدت کو برقرار دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ مدت پوری ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر جانے کے لئے تیار ہو گئے اور بزرگ نے بکریوں کا ریوڑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دے دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی اور ریوڑ لے کر مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے بہت دور پہنچ گئے تو انہیں اور ان کی زوجہ کو شدید سردی لگنے لگی۔ رات کا وقت تھا سردی سے بچاؤ کے لئے آگ کی ضرورت پیش آئی۔ مگر ایسے ویرانے میں آگ کہاں سے ملتی جب کہ چقماق بھی سردی کی شدت سے ناکارہ ہو گیا تھا۔ جس جگہ ان کا قیام تھا۔ وہاں سامنے کوہ سینا کا سلسلہ موجود تھا۔ وادی ایمن کی طرف نظر گئی تو ایک شعلہ سا چمکتا ہوا نظر آیا۔۔۔۔۔ بیوی سے کہا کہ آگ نظر آئی ہے تم یہاں ٹھہرو۔ میں آگ لے آؤں تاکہ سردی سے بچنے کا انتظام ہو جائے۔ وادی ایمن پہنچے تو دیکھا کہ ایک درخت پر روشنی ہے مگر نہ درخت کو جلاتی ہے اور نہ بجھتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے۔ یہ روشنی ان سے دور ہوتی چلی گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف پیدا ہوا اور انہوں نے ارادہ کیا کہ واپس چلے جائیں۔ جوں ہی وہ واپس جانے کے لئے مڑے آگ قریب آگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام رک گئے۔ آواز آئی۔

"اے موسیٰ علیہ السلام! میں ہوں، میں اللہ رب العالمین۔"

بس موسیٰ علیہ السلام اس کے قریب آئے تو پکارے گئے۔ "اے موسیٰ علیہ السلام! میں ہوں تیرا پروردگار، اپنے جوتے اتار دے تو طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے اور دیکھ، میں نے تجھے اپنی رسالت کے لئے چن لیا بس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سن!۔"

آواز کو سنا اور ان کو معلوم ہوا کہ ان کے نصیب میں وہ دولت آگئی ہے جو انسانی شرف کا طرۂ امتیاز ہے تو والہانہ فریفتگی میں محوِ حیرت کھڑے ہو گئے۔

پھر پوچھا گیا۔ "اے موسیٰ علیہ السلام تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟"

موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ ’’یہ میری لاٹھی ہے۔ اس سے میں اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے اپنی دوسری ضروریات بھی پوری کرتا ہوں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ’’موسیٰ علیہ السلام ! اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دے۔‘‘

موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا۔ بس ناگاہ وہ اژدہا بن کر دوڑنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے۔ پیٹھ موڑ کر چلے ہی تھے کہ آواز آئی۔

’’موسیٰ ! اس کو پکڑلو اور خوف نہ کھاؤ۔ ہم اس کو اصلی حالت میں لوٹا دیں گے۔‘‘

موسیٰ علیہ السلام نے بے خوف ہو کر اژدہے کے منہ پر ہاتھ ڈال دیا اور فوراً ہی وہ اژدہا لاٹھی بن گیا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ پکارا گیا۔

’’اپنا ہاتھ گریبان میں لے جا کر بغل سے مس کر اور باہر نکال، تیرا ہاتھ روشن ہو جائے گا۔‘‘ اور فرمایا۔ ’’یہ وہ روشن نشانیاں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے۔ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ ’’میں تو ان کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ زور بیان رکھتا ہے اسے میرے ساتھ پروردگار کے طور پر بھیج تا کہ وہ میری تائید کرے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔ ’’ہم تیرے بھائی کی امانت سے تیرا ہاتھ مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو ایسی سطوت بخشیں گے کہ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ ہماری نشانیاں تمہارے پاس ہیں اور تم اور تمہارے پیروکار فرعون اور اس کی جماعت پر غالب رہو گے۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام منصب نبوت سے سرفراز کلام ربانی سے فیض یاب، تبلیغ کی دعوت میں کامیابی اور کامرانی کا مژدہ پا کر مقدس وادی سے اترے اور اپنی بیوی کے ساتھ مصر روانہ ہو گئے۔ مصر پہنچے تو حضرت ہارونؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب رسالت عطا ہو چکا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے باہم مشاورت سے طے کیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم فرعون کو سنانا چاہئے۔ غرض دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچے اور بے خوف و خطر اندر داخل ہوئے۔ فرعون کے تخت کے قریب پہنچ کر حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی اور فرمایا۔

"اے فرعون! ہم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر اور رسول بنا کر تیرے پاس بھیجا ہے، ہم تجھ سے دو باتیں چاہتے ہیں۔ پہلی یہ کہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آ اور کسی کو اس کا شریک نہ بنا اور دوسری یہ کہ ظلم سے باز آجا اور بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ زبردست نشانیاں عطا فرمائی ہیں۔"

فرعون نے جب یہ سنا تو کہا۔ "موسیٰ! آج تو پیغمبر بن کر میرے سامنے بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ دن بھول گیا جب تو نے میرے ہی گھر میں پرورش پائی اور اسی گھر میں اپنا بچپن گزارا اور کیا تو یہ بھی بھول گیا کہ تو نے ایک مصری کو قتل کیا اور یہاں سے بھاگ گیا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ "یہ صحیح ہے کہ میں نے تیرے گھر میں پرورش پائی اور ایک مدت تک شاہی محل میں رہا۔ مجھے یہ اعتراف ہے کہ مجھ سے نادانستگی میں ایک شخص قتل ہو گیا کہ یہ عدل وانصاف کے خلاف ہے کہ مجھ ایک اسرائیلی کی پرورش کا بدلہ یہ قرار پائے کہ تو بنی اسرائیل کی تمام قوم کو غلام بنائے رکھے۔"

فرعون نے اپنی شیطنت سے بھری سرشت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر خدا ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کی تحقیر کی اور ان سے بحث شروع کر دی۔ ان کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی اور دیوتاؤں کی پوجا کے خلاف آواز اٹھائی اور فرمایا انی رسول من رب العالمین۔ تو فرعون نے کہا۔ "موسیٰ! تو یہ نئی بات کیا سناتا ہے کیا میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے" اور درباریوں کی طرف مخاطب ہو کر تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم سنتے ہو؟ یہ کیسی عجیب بات کہہ رہا ہے، مجھے لگتا ہے یہ مجنوں ہے۔" اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اگر تو نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں تجھے ضرور قید کر دوں گا۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ "اگر میں تجھے اپنے رب کی نشانیاں دکھادوں تب بھی تو رب العالمین پر ایمان نہیں لائے گا۔"

فرعون نے کہا۔ "اگر تو سچا ہے تو مجھے نشانیاں دکھا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور بھرے دربار میں فرعون کے سامنے اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا۔ اسی وقت اس نے اژدہے کی شکل اختیار کر لی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ ایک روشن ستارے کی طرح چمک رہا تھا۔

فرعون کے درباریوں نے جب اس طرح ایک اسرائیلی کے ہاتھوں اپنی قوم کے بادشاہ کی شکست کو دیکھا تو وہ جھنجھلا کر کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ ایک بڑا ماہر جادوگر ہے اور نے یہ سب ڈھونگ اس لئے رچایا ہے کہ تم پر غالب آکر ہمیں مصر سے نکال دے۔ ہمیں اس

سلسلے میں سوچنا چاہئے۔ بالآخر فرعون اور اس کے درباریوں کے باہمی مشوروں سے یہ طے پایا کہ مملکت مصر کے تمام ماہر جادو گروں کو دارالسلطنت میں جمع کیا جائے تاکہ وہ موسیٰ کا مقابلہ کریں۔اس فیصلہ کے بعد فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ ''موسیٰ! ہم اچھی طرح سمجھ گئے ہیں کہ تو ہم کو سرزمین مصر سے بے دخل کرنا چاہتا ہے لہٰذا اب تیرے اور ہمارے درمیان مقابلے کے دن کا معاہدہ ہونا چاہئے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ ''اس کام کے لئے بہتر وقت جشن کا روز ہے اس دن سورج طلوع ہونے پر ہم سب میدان میں جمع ہو جائیں گے۔'' فرعون نے اسی وقت مملکت کے تمام عمال اور حکام کے نام فرمان جاری کر دیا کہ ہماری سلطنت میں جتنے مشہور اور ماہر جادو گر ہیں ان کو جلد از جلد دارالحکومت روانہ کر دیا جائے۔

یوم جشن آ پہنچا۔ میدان میں فرعون شاہانہ کروفر کے ساتھ تخت نشین ہے۔ لاکھوں کا مجمع ہے۔ ایک جانب مملکت مصر کے مشہور جادو گروں کا گروہ اپنے سحر کے لوازمات کے ساتھ کھڑا ہے اور دوسری جانب اللہ تعالیٰ کے رسول، حق کے پیغامبر، سچائی اور راستی کے پیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارونؑ کھڑے ہیں۔ فرعون بہت مسرور اور شاداں ہے۔ اسے یقین ہے جادو گران دونوں بھائیوں کو شکست دے دیں گے۔ لوگوں نے دیکھا کہ فرعون ساحروں کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ انعام واکرام کا لالچ دے رہا ہے۔ جادو گراں کو بھی اپنی کامیابی کا یقین ہے۔ وہ انعام واکرام کے حصول کی توقع سے نہایت مسرور اور خوش ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تقریر کے لئے کھڑے ہوتے تو مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تمہاری حالت پر سخت افسوس ہے۔ تم کیا کر رہے ہو ہم کو جادو گر کہہ کر اللہ پر جھوٹا الزام نہ لگاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ خدا تم کو اس بہتان تراشی کی سزا میں نیست ونابود کر دے۔ کیونکہ جس کسی نے خدا پر بہتان باندھا وہ نامراد ہی رہا۔

جادو گر آگے بڑھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ ''موسیٰ! ان باتوں کو چھوڑ اور بتا کہ ابتداء تیری طرف سے ہو گی یا ہم پہل کریں؟''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ ''پہل تمہاری طرف سے ہو گی اور تم اپنے کمال فن کی پوری پوری حسرت نکال لو۔'' چنانچہ جادو گروں نے اپنی رسیاں، بان اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ان میں حرکت پیدا ہوئی اور سانپ اور اژدھے کی شکل اختیار کر کے دوڑنے لگے۔ یہاں تک کہ پورا میدان ان سے بھر گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ حال دیکھا تو ان کو تردد ہوا۔ فوراً وحی نازل ہوئی۔ ''موسیٰ! خوف نہ کھاؤ۔ ہمارا وعدہ ہے کہ تم ہی غالب رہو گے۔ اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دے۔ ہم تیرے ساتھ ہیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جیسے ہی لاٹھی زمین پر ڈالی وہ ایک بڑا اژدھا بن گئی اور اس نے جادوگروں کے ان گنت سانپوں اور اژدہوں کو نگل لیا۔ میدان میں ایک سانپ بھی باقی نہیں بچا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کوئی تذکرہ ایسا نہیں کیا جو محض کہانی یا چراغ ہو جو کچھ ارشاد کیا ہے۔ اس کے پس پردہ نوع انسانی کے لئے ایک حکمت ہے مثلاً فرعون کے زمانے میں مصریوں نے بنی اسرائیل کی عورتوں مردوں اور بچوں کو غلام بنا رکھا تھا۔ ان کے رہنے کے لئے ایسی جگہ مقرر کی تھی جہاں کوڑیاں بتاتی تھیں۔ تنگ دستی کا یہ عالم تھا کہ انہیں روٹی میسر نہ تھی۔ پھٹا پرانا کپڑا پہنتے تھے انہیں اس بات کی اجازت نہ تھی کہ وہ اپنی مرضی سے شہر میں آ جا سکیں۔ بجز ان اوقات کے جس میں وہ مصریوں کی خدمت کرتے تھے۔ ایک طرف بنی اسرائیل کی یہ حالت تھی اور دوسری طرف مصریوں کی شان و شوکت کا یہ حال تھا کہ بادشاہوں کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ ان کی عظمت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ آج بھی ان کی یادگاریں فراعین کے مقابر کی صورت میں موجود ہیں۔ جو تختیاں قبطی زبان میں لکھی ہوئی ملی ہیں۔ ان کو پڑھنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ فرعون اور اس کی اولاد نے اپنے مقبروں کو بنانے میں ایسا فن استعمال کیا جو کمال کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے۔ انہوں نے تختیوں پر لکھ دیا تھا۔ اگر ہماری چیز خراب کی گئی یا کسی نے ہاتھ لگایا۔ یا کوئی سامان چرایا تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

اندازہ لگایئے کہ ایک طرف غربت زدہ اور اچھوت قوم اور دوسری طرف فرعون اور اس کا جاہ و جلال اور وہ جادوگر جو پیغمبر کے مقابلے میں آ گئے۔ بظاہر اگر کسی کو بنی اسرائیل اور فرعون کے حالات بتائے جائیں تو وہ کیسے یقین کرے گا کہ بنی اسرائیل کے لوگ فاتح ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک طرف ان کو سربلند کیا اور دوسری طرف فرعون کو قعر مذلت میں پھینک دیا۔ قرآن پاک میں اس قصہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس کو محض کہانی سمجھ کر نہ پڑھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر غور کریں جو نوع انسانی کے لئے راہ ہدایت ہے۔ فراعین کے زمانے کے علوم اور کمال آج بھی لوگوں کے سامنے ہیں یہ علوم انہیں کہاں سے ملے؟ ظاہر ہے کہ یہ علوم بھی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم دیکھئے کہ اس نے ہماری زمین پر ایسے آدمی بنائے جنہوں نے اس قسم کے کمرے وضع کئے جس میں ممی رکھی گئی اور وہ ممی آج تک ویسی کی ویسی موجود ہے۔ ایسے زبردست علوم و فنون کے ماہر اور شان و شوکت کے حامل لوگوں کو بنی اسرائیل جیسے خستہ حال لوگوں نے ملیامیٹ کر دیا۔

فراعین مصر کے مقبروں کا ایک کمال یہ ہے کہ کسی ایک مقبرے میں جتنے کمرے ہیں وہ نہ چوکور ہیں اور نہ گول بلکہ ایک خاص وضع کی ایجاد ہیں۔ وہ کمرے جو ممی کی حفاظت کرتے ہیں۔ انہی آدمیوں کے بنائے ہوئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا اور علم سے نوازا۔ اس علم کے ذریعہ انہوں نے مقبرے تعمیر کیے۔ ایک طرف ان کے حال پر اللہ تعالیٰ کا کرم دیکھئے اور دوسری طرف اس قوم کی سرکشی ملاحظہ کیجئے کہ جس کو ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی فرعونیت کہا جاتا ہے۔ اور فراعین کی ممی، دیدہ عبرت نگاہ ہیں اور

دنیا کے لئے تماشا بنی ہوئی ہیں، نہ گور نہ کفن۔ غور طلب یہ ہے کہ اس ہی عقل نے جس پر مصریوں کا تکیہ تھا اور جس عقل سے مصر کو سربلندی اور تہذیب حاصل تھی وہی عقل ان کے لئے گمراہی کا سبب بن گئی اور نتیجہ میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیا۔ یہ ناراضگی ان کے اوپر عذاب در عذاب بن کر نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قوم کے ذریعے عذاب میں مبتلا کر دیا جو خستہ حال کوڑیوں پر رہنے والی، بھوکی ننگی اور اچھوت قوم تھی۔ ایسی قوم جس کا نہ کوئی معیار زندگی تھا۔ نہ اس کے پاس کوئی طاقت تھی نہ ہی وہ مصریوں کی طرح علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے۔

بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ایک شخص پیدا کر دیا اور اس شخص نے مصریوں کا تختہ الٹ دیا۔ یہ بھی فکر طلب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پرورش بھی فرعون کے گھر پائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور ان کے دماغوں کو بے کار کر دیا اور اس بات کو چھپا لیا کہ یہ بچہ بنی اسرائیل کا ہے۔ اہل فن ذہین اور یکتائے روزگار جادوگروں اور ساحروں سے بھی وہ بچہ چھپا رہا۔ یہ دوسرا پردہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہوں پر ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ جن چیزوں کو لوگوں کی نظروں سے چھپا دیتے ہیں وہی چیزیں سرکش لوگوں کے لئے عذاب بن جاتی ہیں۔ آج کا دور بھی علوم و فنون کا دور ہے اور یہ علوم و فنون اور عقل انسان کے لئے ایک اور آزمائش اور ابتلا بن گئی ہے۔ جیسا کہ مصریوں کے لئے ان کے علوم و فنون اور عقل عذاب بن گئی تھی۔ آج جن علوم و فنون اور عقل کا تذکرہ عام ہے اس پر غور کیا جائے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ عقل جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تفکر شامل نہ ہو اور روحانی قدریں نہ ہوں وہ انسانوں کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ آج کے علوم و فنون بھی جھوٹ اور فریب کی بنیاد پر قائم ہیں۔ نعرے انسانی حقوق کے لگتے ہیں لیکن ان نعروں کے پیچھے مادی مفاد اور کمزور لوگوں پر اقتدار کی خواہش کار فرما ہے۔ مادی مفاد میں اگر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو محکوم بنانے کی پالیسی پر عمل کیا جاتا رہا تو وہ دن قریب ہے جب ترقی کے زعم میں فریب خوردہ اقوام کا حشر فراعین مصر کی طرح ہوگا اور یہ دن دور نظر نہیں آتا۔